

عمل کرنے کے باوجود خسارہ اور نقصان

خطبہ غدیر خم اور اہل بیت کے حقوق

جاتے جاتے بہت کچھ لے جاتے ہیں، دے جاتے ہیں

اصحاب اعراف: ایک تحقیقی جائزہ

باصلاحیت لوگوں کی ایک عادت - یا کمزوری کہہ لیں - یہ بھی ہوتی ہے کہ بہت جلد کوئی ان کی نظر میں چجتا نہیں ہے اور وہ حرفِ اعتراف زبان پر نہیں لاتے۔ اور اکثر اسی وجہ سے دنیا انہیں متکبر انسان بھی سمجھ بیٹھتی ہے تاہم جب حقیقی معنوں میں ان کے سامنے کوئی قد آور آتا ہے تو وہ اس کا اعتراف کرنے میں جھجکتے بھی نہیں ہیں۔ (شیخ عبدالحسین مدنی)

ماہ رجب کی حرمت

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

”إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ، السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرْمٌ، ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُو الْقَعْدَةِ، وَذُو الْحِجَّةِ، وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبٌ، مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى، وَشَعْبَانَ“



ابوبکرہ نفع بن حارث روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے (حجۃ الوداع کے خطبے میں) فرمایا:

”دیکھو زمانہ پھر اپنی پہلی اسی ہیئت پر آ گیا ہے

جس پر اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا۔

سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے، ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔

تین تو لگاتار یعنی ذی قعدہ، ذی الحجۃ اور محرم اور چوتھا رجب

مضربو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان میں پڑتا ہے“



[صحیح البخاری: رقم ۴۶۶۲]

Ahlus Sunnah Volume No.9, Issue No.110, March 2021

جلد: ۹
شماره: ۱۱۰

فی شماره - 30/-
سالانہ - 300/-

مارچ ۲۰۲۱ء

ماہنامہ



سرپرست: رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
نگراں: عبدالشکور عبدالحق مدنی

نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمن سنابلی
رابطہ نمبر: 8291063765



ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی
رابطہ نمبر: 8657458182

معاونین: ابوالبلیان رفعت سلفی • حافظ امتیاز احمد رحمانی
فورمیننگ: شفیق احمد محمد عدیل محمدی • گرافک ڈیزائنر: طارق بن عبدالرحیم شیخ

سی، ای، او: زید خالد پٹیل

مجلس مشاورت

• شیخ محفوظ الرحمن فیضی • دکتور عبید الرحمن مدنی
• شیخ نور الحسن مدنی • شیخ محمد جعفر الہندی

نوٹ: اپنے مضامین کی اشاعت، مفید مشوروں اور میگزین ممبر شپ کے لیے اوپر دیے گئے نمبرات پر رابطہ کریں۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:

Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjhan-I, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph. : 8080807836
Website : <http://ahlussunnah.net> | Email: ahlussunnah.m@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl.. Estate, Pannalal
Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road,
Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

- 05 حافظ خلیل الرحمن سنابلی عمل کرنے کے باوجود خسارہ اور نقصان
- 07 ارشاد الحق اثری خطبہ غدیر خم اور اہل بیت کے حقوق (قسط نمبر: ۴)
- 14 عبید اللہ الباقی اسلم علم عقیدہ کی چند اہم مصطلحات (تیرہویں و آخری قسط)
- 20 زبیر یحییٰ عالیاوی کتاب ”چار دن قربانی“ پر اعتراضات کے جوابات (چھٹویں قسط)
- 28 عبدالکریم رواب علی سنابلی اصحاب اعراف: ایک تحقیقی جائزہ
- 34 ابوالحجوب سید انور شاہ راشدی امام ترمذی کے یہاں حسن حدیث کا تصور قسط (۱)
- 36 حافظ اکبر علی اختر علی سلفی کیا فرض نماز کے بعد نفل نماز پڑھنے کے لیے جگہ تبدیل کرنے کے سلسلے میں کوئی صحیح مرفوع حدیث موجود نہیں ہے؟
- 43 ممتاز احمد سلفی اخوت و بھائی چارگی کا اسلامی تصور
- 48 حافظ عبدالحمید عمری مدنی جاتے جاتے بہت کچھ لے جاتے ہیں، دے جاتے ہیں

عمل کرنے کے باوجود خسارہ اور نقصان

حافظ خلیل الرحمن سنابلی

محترم قارئین! اللہ نے قرآن میں فرمایا:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيَّهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾

”کہہ دیجیے کہ کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ عمل کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ وہ ہیں کہ جن کی دنیوی

زندگی کی تمام تر کوششیں بے کار ہو گئیں اور وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں“ [الکہف: ۱۰۴-۱۰۳]

دنیا میں ہم انسانوں کی زندگی کا مقصد نیک عمل کرنا ہے، لیکن آپ ان دونوں آیتوں میں اگر غور کریں تو پتہ چلے گا کہ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو عمل تو کرتے ہیں اور وہ عمل بھی اچھا ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی قیامت کے دن وہ خسارہ پانے والوں میں ہوں گے اور ان کی تمام تر کوششوں کو بے کار قرار دے دیا جائے گا، سوال یہ ہے کہ آخر یہ کون لوگ ہوں گے؟ ذیل کے سطور میں ہم اسی بات کا تفصیلی تذکرہ کر رہے ہیں۔

درحقیقت عمل کے اعتبار سے خسارہ اٹھانے والے تین طرح کے لوگ ہوں گے:

۱۔ جن کے عمل کی بنیاد ایمان اور عقیدہ تو حید پر نہ ہو بلکہ وہ شرک اور کفر کرنے والے ہوں۔

اس لیے کہ کسی بھی نیک عمل کی قبولیت کی سب سے پہلی شرط یہی ہے کہ وہ عمل کرنے والا بندہ صاحب ایمان ہو، اگر کسی کے اندر شرک جیسی خرابی موجود ہے اور وہ اسی حالت میں انتقال کر جاتا ہے تو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس کی ساری نیکیاں برباد ہو جائیں گی، اور اس پر نصوص و دلائل کی کثرت ہے لیکن بطور مثال صحیح مسلم کی حدیث دیکھتے چلیں جس کا مفہوم یہ ہے: اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ زمانہء جاہلیت میں عبد اللہ بن جدعان نامی شخص بہت صلہ رحمی کرتا تھا، مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا تو کیا اس کی یہ نیکیاں اس کے لیے فائدہ مند ہوں گی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیتے ہوئے کہا: نہیں، اس لیے کہ اس نے کسی دن بھی اپنے کفر و شرک سے توبہ کا اعلان نہیں کیا اور اسی حال میں دنیا سے چلا گیا۔ [صحیح مسلم: ۲۱۴]

۲۔ دوسرے وہ لوگ ہوں گے جن کے پاس ایمان تو ہے لیکن ان کے عمل کی بنیاد اخلاص پر نہیں ہے۔

اس لیے کہ ایمان کے ساتھ ساتھ جس عمل میں اخلاص نہ ہو بلکہ ریا کاری اور دکھاوا شامل ہو جائے تو ایسا عمل برباد کر دیا جاتا ہے، اس پر بھی بہت سی دلیلیں موجود ہیں۔ بطور مثال صحیح مسلم کی وہ مشہور حدیث اپنے دماغ میں رکھیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

قیامت کے دن لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے سب سے پہلے شہید، عالم اور مالدار کو لایا جائے گا، اللہ ان سے باری باری پوچھے گا کہ تم کیا کر کے آئے ہو؟ ان میں سے ہر ایک اپنا کارنامہ، کمال اور دنیا کی بھرپور کوششیں بتائے گا، تو اللہ ان تینوں سے کہے گا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، تم نے یہ سب کیا لیکن صرف اس لیے تاکہ لوگ تمہیں بہادر، عالم اور سخی و فیاض کہیں (یعنی تمہارے عمل میں اخلاص نہیں تھا بلکہ صرف لوگوں کی توجہ اور واہ واہی کے لیے تم نے ایسا اور ایسا کیا) پس دنیا میں تمہیں تمہاری کوششوں کا بدلہ مل گیا، پھر اللہ کے حکم سے ان کو چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ [صحیح مسلم: ۱۹۰۵]

۳۔ جن کے پاس ایمان تو ہے لیکن اتباع رسول نہیں، بلکہ ان کے عمل کی بنیاد بدعتوں پر ہے کہ جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

ایمان کے ساتھ عمل اسی وقت مقبول ہو سکتا ہے جب اس میں اخلاص ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع بھی شامل ہو، لیکن اگر کوئی صاحب ایمان دین میں کسی ایسی چیز کو شامل کر دیتا ہے جو دین کا حصہ ہی نہیں اور نہ ہی سلف کے منہج سے وہ میل کھاتا ہے تو ایسی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں اسے ”بدعت“ کہتے ہیں اور ایسا عمل خواہ کتنے ہی خلوص کے ساتھ کیوں نہ انجام دیا جائے اس کا کوئی بھی فائدہ نہیں ملنے والا ہے، اس لیے کہ دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے کر جانے والی ہے، بطور نمونہ صحیح بخاری کی یہ حدیث دیکھیں: قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر موجود اپنے امتیوں کو سیراب کر رہے ہوں گے کہ اسی اثناء میں کچھ ایسے لوگ حوض کوثر کی طرف بڑھیں گے جنہیں نبی کریم ﷺ پہچان رہے ہوں گے کہ اچانک فرشتے ان کے راستے میں حائل ہو جائیں گے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہیں گے کہ انہیں آنے دو، یہ میری امت ہی کے لوگ ہیں، تو فرشتے جواب دیں گے: آپ کو نہیں معلوم کہ آپ کے بعد ان لوگوں نے آپ کے دین میں کیا کیا نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں گے: ”سُحَقًا سُبْحَقًا لِمَنْ غَيْرِ بَعْدِي“، ”کہ ایسے لوگوں کے لیے دوری ہو جنہوں نے میرے بعد میرے دین کو تبدیل کر کے رکھ دیا“ [صحیح البخاری: ۶۵۸۴]

محترم قارئین! آپ اندازہ کریں کہ ایک انسان عمل بھی کرے، بھاگ دوڑ کرے، پیسے لگائے، وقت کی قربانی دے، اپنا تن من دھن سب لگا کر اس گمان بلکہ یقین میں رہے کہ میری ان کوششوں کا مجھے بہترین بدلہ قیامت کے دن ضرور ملے گا، لیکن میدان محشر میں اس کی تمام تر کوششوں کو بیکار رکھ دیا جائے تو اس کی حالت کیا ہوگی؟ لہذا ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہیں کہ کہیں ہماری زندگی میں شرک و کفر، ریا کاری اور بدعت والے اعمال تو شامل نہیں ہیں اور اپنے آپ کو ان چیزوں سے دور رکھ کر خالص کتاب و سنت کو اپنا کر گناہوں سے بچتے ہوئے نیکیوں کے کام کرتے رہنا چاہیے تاکہ آخرت میں ہمیں پچھتاوا کے بجائے ہماری کوششوں کا بہترین بدلہ ہمیں مل جائے۔

خطبہ غدیر خم اور اہل بیت کے حقوق

حضرت مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

اہل بیت کون ہیں؟

غدیر خم کے خطبے میں جو بار بار اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا تاکید فرمایا، اس بارے میں پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اہل بیت سے کون مراد ہیں۔

اہل بیت سے مراد گھر والے ہیں، چنانچہ علامہ راغب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اہل الرجل“ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اس کے ہم نسب یا ہم دین ہوں اور یا کسی صنعت یا مکان میں شریک ہوں، یا ایک شہر میں رہتے ہوں۔ اصل میں ”اہل الرجل“ تو وہ ہیں جو کسی کے ساتھ اس کے مسکن میں رہتے ہوں، پھر مجازاً آدمی کے قریبی رشتہ داروں پر ”اہل بیت الرجل“ کا لفظ بولا جانے لگا ہے۔ اور عرف میں آنحضرت ﷺ کے خاندان پر بولا جانے لگا کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾

”اے پیغمبر کے اہل بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور کر دے“ [الاحزاب: ۳۳]

اور کبھی ”اہل الرجل“ سے مراد بیوی ہوتی ہے۔ ”اہل الاسلام“ کے معنی مسلمان قوم کے ہیں۔ شریعت نے اکثر احکام میں کافر اور مسلمان کے مابین چونکہ نسبی تعلق کو کالعدم قرار دیا ہے، اس لئے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کے متعلق فرمایا:

﴿إِنَّهُ لَيْسَ مِنَّا إِنَّهُ كَانَ كَوَالِدٍ غَيْرِ صَالِحٍ﴾

”یہ تیرے خاندان سے نہیں ہے، اس کے اعمال غیر صالح ہیں“ [ہود: ۶۶] (مفردات القرآن)

علامہ محمد یعقوب فیروز آبادی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں ”اہل“ کا اطلاق دس معنوں میں ہوا ہے۔ اس کی تفصیل یہاں ضروری نہیں۔ شائقین ”بصائر ذوی التمییز“ (۸۴/۲) ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں انہوں نے ایک معنی یہ کیے ہیں کہ ”اہل“ عترہ، عشیرہ، اولاد و احواء اور ازواج کے معنی میں مستعمل ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾

”اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور اس پر خوب پابند رہ“ [ظہ: ۱۳۲]

اور فرمایا: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾

”اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے اے گھر والو!“ [الاحزاب: ۳۳] (بصائر ذوی التمیمین)
یہی بات دیگر ائمہ لغت نے کہی ہے۔

جیسے ہم کہتے ہیں: ”اہل مکہ“ مکہ میں بسنے والے، ”اہل مدینہ“ مدینہ طیبہ میں رہنے والے اور ”اہل القری“ بستی میں رہنے والے۔ اسی طرح ”اہل البیت“ گھر میں رہنے والے۔ ظاہر ہے کہ گھر میں بیوی، بیٹے بیٹیاں، پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں ہوتی ہیں اور ان سب پر ”اہل بیت“ کا اطلاق ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ذکر ہے کہ جب وہ مدین سے پلٹے تو ان کے ہمراہ ان کے گھر والے تھے۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ﴾

”پھر جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے“ [القصص: ۲۹]

ایک اور مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا﴾

”جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا: بلاشبہ میں نے ایک آگ دیکھی ہے“ [النمل: ۷]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جب فرشتے آئے اور انہوں نے بیٹے حضرت اسحاق اور پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی تو اہلیہ حضرت سارہ نے اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ کیا جب میرا خاوند بوڑھا ہو گیا ہے اور میں بھی بوڑھی ہو گئی ہوں تو کیا میں بیٹا جنوں گی؟ تو فرشتوں نے کہا:

﴿قَالُوا اتَّعَجِبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ﴾

”کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے گھر والو! بے شک وہ بے حد

تعریف کیا گیا، بڑی شان والا ہے“ [ہود: ۷۳]

جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ”اہل بیت“ کا اطلاق بیوی پر ہوتا ہے۔ اسی مفہوم کے لئے مزید دیکھیے سورۃ

القصص، آیت: ۱۲، سورہ یوسف: آیت ۲۵

اب یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ان آیات میں حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی بیویاں تو اہل بیت ہوں، مگر آنحضرت ﷺ کی بیویاں اہل بیت میں شامل نہ ہوں! حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر عبد اللہ بن ابی نے تہمت لگائی، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے عرشِ عظیم سے ان کی پاک دامنی کا اعلان سورۃ النور میں قرآن بنا کر نازل فرمایا۔ آنحضرت

ﷺ کو قرآن مجید میں اظہار براءت سے قبل سخت صدمہ پہنچا، حتیٰ کہ آپ نے برسرِ منبر ارشاد فرمایا:

”يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ مَنْ يَعْدِرُنِي مِنْ رَجُلٍ قَدْ بَلَغَنِي أَذَاهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي“

”اے مسلمانوں کی جماعت! کون میری حمایت کرتا ہے، یا کون میری مدد کرتا ہے ایسے شخص کے مقابلے میں جس

کی ایذا رسانی میرے گھر والوں تک پہنچ چکی ہے“ [صحیح بخاری: رقم: ۴۷۵۰]

اس حدیث میں بھی ”اہل بیت“ سے بلا اختلاف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں۔

اسی طرح صحیح بخاری ہی میں ہے کہ جب حضرت زینت بنت جحش رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ نے نکاح کیا،

دعوت ولیمہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آ جا رہے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد صحابہ کرام جا چکے تو بقیہ کھانا اٹھالینے کا آپ

ﷺ نے حکم فرمایا، مگر تین اصحاب گھر میں جا بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے

حجرے میں تشریف لے گئے اور فرمایا:

”السلام عليكم أهل البيت ورحمة الله“

تو اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی کہا:

”وعليك السلام ورحمة الله، كيف وجدت أهلك؟ بارك الله لك“

”آپ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا؟ (یعنی پسند آئی یا نہیں؟) اللہ آپ کو برکت دے۔“

اس کے بعد باقی تمام ازواج کے گھروں میں تشریف لے گئے اور سب کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح سلام

کیا اور سب نے وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیا تھا۔ [صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب: لا

تدخلوا بيوت النبي ﷺ: رقم: ۴۷۹۳]

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ سب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کو آنحضرت ﷺ ”اہل بیت“ سمجھتے اور کہتے

ہیں۔ اب آنحضرت ﷺ کی امت کو بھی انہیں اہل بیت سمجھنا چاہئے یا نہیں؟ فاعتبروا یا اولی الابصار!

سورة الاحزاب کی آیت نمبر ۲۸ میں فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأَزُوجَكُ﴾

”اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے“

پھر آیت نمبر ۳۰ میں فرمایا: ﴿يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ﴾ ”اے نبی کی بیویو!“

یہی الفاظ آیت نمبر ۳۲ میں ہیں اور تمام خطابات میں الفاظ صیغہ مونث استعمال ہوئے ہیں۔ آیت نمبر ۳۳ میں

ازواج مطہرات ہی کو مخاطب کرتے ہوئے نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دے کر فرمایا ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

”اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے اے گھر والو! اور تمہیں پاک کر دے خوب پاک کرنا“ [الاحزاب: ۳۳]

اس کے بعد آیت نمبر ۳۴ میں پھر ازواج مطہرات ﷺ ہی کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:

﴿وَإِذْ كُنَّ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ﴾

”اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جن آیات اور دانائی کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے انہیں یاد کرو“ [الاحزاب: ۴۴]

یہ سارا سیاق و سباق اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ اہل بیت سے یہاں رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مراد ہیں اور آنحضرت ﷺ کی دعا سے اس میں حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم بھی شامل ہو گئے۔

مگر روافض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اس آیت تطہیر کا مصداق تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا شبہ یہ ہے کہ ﴿لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ﴾ میں ضمیر مذکر استعمال ہوئی ہے، اس لیے اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی بیویاں مراد نہیں ہیں۔

قرآن پاک میں تحریف کا اظہار:

حتیٰ کہ حکیم حافظ سید فرمان علی رافضی نے اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

”بعض اہل سنت کا خیال ہے کہ اس میں ازواج بھی شامل ہیں اور مدح و ثنا اور اہل بیت میں شامل ہیں۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اگر ازواج مقصود ہوتے تو جس طرح ما قبل و ما بعد کی آیت میں ضمیر جمع مونث حاضر تھی، اس میں بھی باقی رہتی، بلکہ اگر اس آیت کو درمیان سے نکال لو اور ما قبل و ما بعد کو ملا کر پڑھو تو کوئی خرابی نہیں ہوتی، بلکہ اور ربط بڑھ جاتا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اس مقام کی نہیں، بلکہ خواہ مخواہ کسی خاص غرض سے داخل کی گئی ہے“۔ (حاشیہ سید فرمان علی، ص ۶۷۳، مطبوعہ: محمد علی چاولہ اینڈ کمپنی لمیٹڈ کراچی)

انا للہ وانا الیہ راجعون! کیا یہ قرآن مجید میں تحریف اور تبدیلی کا اقرار و اعتراف نہیں؟ امر واقع یہ ہے کہ سوائے چند ایک روافض کے، باقی سب قرآن مجید میں تحریف کے قائل ہیں، جیسا کہ شہید ملت علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ نے ”الشیعہ والقرآن“ میں تفصیل سے ذکر کیا۔ اور جو تحریف کا انکار کرتے ہیں وہ بھی تقیاً انکار ہے۔ سید فرمان علی کے الفاظ اقرار تحریف کا بین ثبوت ہے۔

یہ موضوع وسیع الذیل ہے، مگر ہمارا یہ موضوع نہیں، اس لیے اس سے ہم صرف نظر کرتے ہیں۔ آیت کی مناسبت سے ہم نے یہ قول ذکر کیا ہے۔ تنہا سید فرمان علی نہیں بلکہ شیعہ اہل علم کی ایک جماعت نے یہی موقف اختیار کیا، چنانچہ ”محقق آیت اللہ“ العظمیٰ شیرازی کے زیر نظر جو تفسیر مرتب دی گئی جس کا ترجمہ سید صفدر حسین نجفی نے کیا اور ”تفسیر نمونہ“ کے عنوان سے مصباح القرآن ٹرسٹ (لاہور) سے شائع ہوا اس میں بھی منقول ہے:

”ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ﴾ کا جملہ ان آیات کے ساتھ نازل ہوا ہے، بلکہ روایات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصہ علیحدہ نازل ہوا ہے، لیکن پیغمبر اکرم ﷺ کے دور میں آیات قرآن کی جمع آوری کے موقع پر، یا اس کے بعد ان آیات کے ساتھ قرار دیا گیا۔“ (تفسیر نمونہ: ۶۳۶/۹)

اس سے متعلقہ متعدد باتیں قابل بحث ہیں، مگر ہمارا یہ موضوع نہیں۔ ہم صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ان حضرات نے ﴿لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ﴾ میں ضمیر مذکر کی وجہ سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کو اس آیت سے نکال دیا۔ بلکہ اس آیت کا یہاں ذکر ہونے پر قرآن مجید میں تحریف و تبدیلی کا اظہار بھی کیا۔ حالانکہ اگر یہ حضرات قرآن مجید ہی پر غور فرما لیتے تو شاید تحریف کے اظہار کی جسارت نہ کرتے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی زوجہ محترمہ کو جب بیٹے حضرت اسحاق اور پوتے حضرت یعقوب علیہما السلام کی بشارت دی گئی اور انہوں نے بڑھاپے میں اولاد ہونے پر تعجب کا اظہار کیا تو فرشتوں نے ان سے کہا:

﴿اتَّعَجِبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمْتُ اللَّهُ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾

”کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے گھر والو!“ [ہود: ۷۳]

یہ آیت نصف النہار کی طرح روشن دلیل ہے کہ بیوی اہل بیت ہوتی ہے، جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر آئے ہیں اور عورت کو یا اہل بیت کو ”کم“ کی مذکر ضمیر کے ساتھ مخاطب کیا جاسکتا ہے، جیسے آیت تطہیر میں ”عنکم“ مذکر کی ضمیر ہے، بعینہ سورہ ہود میں ”علیکم“ بھی ضمیر ہے اس لیے اہل بیت یعنی خواتین کے لیے مذکر کی ضمیر استعمال ہوتی ہے، لہذا محض اس ضمیر کی وجہ سے تحریف تک کا دعویٰ بالکل باطل اور مذہبی خواہش پرستی کا نتیجہ ہے۔

آیت تطہیر کی شان نزول:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ مروی ہے کہ:

”نزلت فی نساء النبی ﷺ خاصة“

”یہ آیت خاص طور پر نبی کریم ﷺ کی بیویوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے“۔ [ابن کثیر: ۶۳۸/۳، الاستیعاب

عکرمہ بھی یہی فرماتے تھے، بلکہ بازار میں اس کا اعلان و اظہار کرتے تھے۔ (ابن کثیر)

اس کے برعکس حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے جو یہ مروی ہے کہ یہ آیت پانچ حضرات کے بارے میں نازل ہوئی، میرے بارے میں، یعنی آنحضرت ﷺ کے بارے میں اور علی، حسن، حسین اور فاطمہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں [ابن جریر بحوالہ ابن کثیر: ۶۴۱/۳] تو یہ روایت ضعیف ہے کیوں کہ عطیہ بن سعید عونی:

”صدوق یخطئ كثيراً، کان شیعياً مدلساً“ [تقریب: ص: ۲۴۰]

”صدوق اور بکثرت خطا کرتا تھا، شیعہ اور مدلس تھا“۔

اور طبقات المدلسین (ص: ۵۰) میں ہے:

”ضعیف الحفظ، مشہور بالتدلیس“ [القیح]

”اس کا حافظہ کمزور ہے۔ بڑی بری تدلیس میں مشہور ہے“۔

وہ روایت بیان کرتا ہوا ”عن ابی سعید“ کہتا اور خاموش ہو جاتا۔ یوں وہ وہم دلاتا کہ وہ ابوسعید الخدری ہیں،

حالانکہ وہ ابوسعید الکلکی ہوتا۔ [تہذیب: ۲۲۶/۷]

اور یہ روایت بھی معنعن ہے، اس لیے یہ روایت بالکل ضعیف ہے۔ اس کے تشیع کا یہ عالم تھا کہ سب صحابہ کرام رضی

اللہ عنہم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل کہتا تھا۔ (ایضاً)

علامہ پیشمی رحمہ اللہ نے تو اس کے ایک اور راوی بکر بن یحییٰ کو ضعیف کہا ہے۔ [مجمع: ۱۶۷/۹]

اس لیے صحیح یہی ہے کہ اس آیت کا مصداق ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں اور متعدد احادیث کی بنا پر حضرت

فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم بھی اس کا مصداق ہیں، چنانچہ عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ

جن کی پرورش آنحضرت ﷺ نے کی تھی، فرماتے ہیں کہ یہ آیت نبی کریم ﷺ پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا (یعنی ان

کی والدہ) کے گھر میں نازل ہوئی تو آنحضرت نے حضرت فاطمہ، حضرت حسن، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور

انہیں ایک چادر کے اندر کر لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی پیٹھ کے پیچھے تھے تو انہیں چادر کے اندر کر لیا، پھر فرمایا:

”اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي فَأَذِيبْ عَنْهُمْ الرَّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيراً. قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: وَأَنَا مَعَهُمْ يَا

نَبِيَّ اللَّهِ، قَالَ: أَنْتِ عَلَى مَكَانِكَ وَأَنْتِ عَلَى خَيْرٍ“

”اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے گندگی دور کر دے اور انہیں پاک کر دے خوب پاک کرنا“ حضرت ام

سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو اپنی جگہ پر ہے اور تو خیر کی طرف ہے“ [ترمذی: رقم: ۳۷۸۷، ۳۲۰۵، صحیح]

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ آیت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر نازل ہوئی اور حضرت علی وغیرہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں دعا سے پہلے نازل ہوئی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے دعا کر کے حضرت علی وغیرہ رضی اللہ عنہم کو اہل بیت میں شامل کیا۔ اگر آپ ﷺ کا یہ مقصد تھا کہ یہ میرے اہل بیت ہیں تو کیا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو اس کا علم نہیں تھا کہ یہ میرے نبی ﷺ کے اہل بیت ہیں؟ (معاذ اللہ)

نیز آنحضرت ﷺ کا دعا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آیت تطہیر بطور خبر نہیں تھی۔ اگر خبر ہوتی تو اس پر آنحضرت ﷺ کو حمد و ثنا کرنی چاہیے تھی کہ اہل بیت کو یہ اعزاز بخشا گیا ہے۔ مجرد دعا پر اکتفا نہ فرماتے۔ مزید ملاحظہ فرمائیں:

[منہاج السنہ: ۱۱۷/۲]

در اصل آنحضرت ﷺ نے دعا کر کے انہیں بھی اہل بیت میں شامل کرنے، ان سے گندگی دور کرنے اور انہیں پاک صاف کرنے کی دعا فرمائی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھتے ہوئے اپنے آپ کو اس دعا میں شریک کرنے کی التماس کی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم تو پہلے ہی اس مقام و مرتبے اور خبر پر ہو۔ بھلا جس کے گھر میں یہ آیت نازل ہوئی، وہ اس کے مصداق سے خارج کیسے ہو سکتی ہے!

اسی مفہوم کی روایت صحیح مسلم (رقم: ۲۴۲۴) میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ترمذی (رقم: ۳۸۷۱)، مسند احمد (۲۹۲/۶، ۲۹۶، ۲۹۸)، مسند اسحاق (رقم: ۱۸۷۴) وغیرہ کتب میں سند حسن و صحیح سے مروی ہے۔ ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ ہمارا مقصد سب روایات کا استیعاب نہیں، بلکہ بتلانا یہ مقصود ہے کہ اس آیت کا مصداق ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں اور آنحضرت ﷺ کی دعا سے حضرت فاطمہ، حضرت علی وغیرہ رضی اللہ عنہم بھی اہل بیت میں شامل ہیں۔

البتہ وہ روایات جن میں ذکر ہے کہ چھ ماہ تک ایک روایت میں سات ماہ تک اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس روز تک آنحضرت ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے دروازے پر تشریف لے جاتے اور فرماتے: ”السلام علیکم اہل البیت“! پھر یہ آیت تطہیر تلاوت فرماتے۔ تو یہ سب روایات ضعیف ہیں۔ [مجمع الزوائد: ۱۶۸۱/۹، ۱۶۹، ۱۶۸]

اسی مفہوم کی ایک روایت ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، مگر وہ بھی ضعیف ہے۔

جاری ہے.....

علم عقیدہ کی چند اہم مصطلحات

عبداللہ الباقی اسلم

اہل السنہ والجماعہ کی وسطیت:

”مبادئی علم عقیدہ“ کی بارہویں قسط میں اسماء و احکام کے باب میں اہل السنہ والجماعہ کی وسطیت کو اجاگر کیا گیا تھا، اس زریں سلسلے کی یہ آخری کڑی ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اور اور ان کے بارے میں اہل السنہ والجماعہ کی وسطیت کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سلسلے میں اہل السنہ والجماعہ اہل غلو و اہل جفاء کے مقابلے میں وسطیت پر قائم ہیں:
أولاً: صحابی کی تعریف:

أ- صحابی کی لغوی تعریف: صحابی، یہ ”صحاب“ سے ماخوذ ہے، اور وہ ایک ایسی صحیح اصل ہے جو کسی چیز کی مقارنت یا مقاربت پر دلالت کرتی ہے۔ دیکھیں: [مقاییس اللغة: ۳/۳۳۵]

امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لغت میں صحابی اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے (کسی کے ساتھ) کم سے کم اتنی مدت صحبت گزاری ہو کہ اس پر اسم صحبت کا اطلاق ہو سکے، چہ جائے کہ اس کی صحبت طویل ہو، اور اس کی مجالست زیادہ ہو“ دیکھیں: [فتح المغیث: ۴/۷۸۱]

ب- صحابی کی اصطلاحی تعریف: صحابی وہ شخص ہے جس نے نبی ﷺ سے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو، اور اسلام پر اس کی موت ہوئی ہو۔ دیکھیں: [الإصابة فی تمييز الصحابة لابن حجر: ۷/۱۱]

ثانیاً: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، محمد صلی اللہ علیہ کو اپنا نبی و رسول، اور اسلام کو اپنا دین مان کر راضی تھے۔ لہذا انہوں نے عقائد و شرائع کے ایک ایک حرف کی پاسداری کی، اور بوقت ضرورت ہر طرح کی قربانیاں دے کر اپنی رضامندی کا سب سے اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔

اس مقدس جماعت کے اخلاق فاضلہ، آداب کاملہ، معاملات طیبہ، اور اعمال صالحہ سے اللہ عز و جل بھی راضی تھا، یہی وجہ ہے کہ انہیں سب سے عظیم بشارت سنائی ہے:

﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ

الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۰﴾ اللہ ان سے خوش ہے، اور وہ اللہ سے خوش ہیں، اور اس نے ان کے لیے باغات تیار کئے ہیں؛ جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں اور ہمیشہ ان میں رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے“ [سورة التوبة: ۱۰۰]

یہ وہ مبارک لوگ ہیں، جو دنیا میں انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ہیں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں سب سے بہترین ہونے کی شہادت دی ہے:

”خیر الناس قرنی ثم الذین یلونہم، ثم الذین یلونہم“ ”لوگوں میں سب سے بہتر میرے زمانہ (کے لوگ) ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے“ [صحیح البخاری: ح: ۳۶۵۱، و صحیح مسلم: ح: ۲۵۳۳]

اور اللہ تعالیٰ نے اس مقدس جماعت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ کے ساتھ دو بڑی عظیم نعمتوں سے نوازا تھا:

۱۔ علم نافع۔ ۲۔ عمل صالح۔

اسی لیے ان کی کمی کوتاہیوں سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ ”جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان سے اللہ نے گناہوں کی بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے“ [سورة الفتح: ۲۹]

اور چونکہ علم نافع اور عمل صالح کا لازمی نتیجہ: رحمت و ہدایت ہے، اس لیے ان کی یہ صفت بتائی گئی:

﴿أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ ”وہ کافروں کے حق میں سخت ہیں اور آپس میں رحم دل“ [سورة الفتح: ۲۹]

اور فرمایا: ﴿أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾ ”یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے، اور یہی سیدھے رستے پر ہیں“ [سورة البقرة: ۱۵۷]

یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان و یقین، رشد و ہدایت، نیکی و صالحیت، رحمت و رأفت، اور اخلاص و اللہیت کے پیکر تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے منج کو ذریعہ نجات بتایا گیا:

”وَتَفْتَرِ قُلُوبًا عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مَلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ، إِلَّا مَلَّةً وَاحِدَةً“، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: ”مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي“ ”اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی جہنم میں جائیں گے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ کون سی جماعت ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر چلیں گے“ [جامع الترمذی: ح: ۲۶۴۱]

اور خاص طور پر خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ کار کے بارے میں فرمایا:

”فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي، وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهَدِيِّينَ، عَضُوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ“ ”پس میری سنت کو اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑے رہنا، (اور) میری اس نصیحت کو اپنے دانتوں کے ذریعے مضبوطی سے پکڑ لینا (اور اس پر عمل پیرا رہنا) [جامع الترمذی: ۲۶۷۶، و سنن أبی داؤد: ۴۶۰۷، و سنن ابن ماجہ: ۴۲]، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے: [إرواء الغلیل: ح: ۲۴۵۵]

اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو مستحقین وعید ٹھہرایا ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ ”اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالف کرے گا، اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے گا، تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے، اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے“ [سورة النساء: ۱۱۵]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں فرماتے ہیں:

”من كان مستنسا فليستن بمن قد مات، فإن الحي لا تؤمن عليه الفتنة، أولئك أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم أبر هذه الأمة قلوبا وأعمقها علما، وأقلها تكلفا، قوم اختارهم الله بصحبة نبهه وإقامة دينه فاعرفوا لهم حقهم وفضلهم فقد كانوا على الهدى المستقيم“ ”جو کسی کی راہ پر چلنا چاہتا ہے وہ گزرے ہوئے لوگوں (سلف) کی راہ پر چلے، کیونکہ آج زندہ لوگ فتنوں سے مامون نہیں ہیں۔ وہ محمد ﷺ کے ساتھی ہیں، اس امت کے سب سے صاف و شفاف دل والے ہیں، گہرے علم کے مالک ہیں، تکلف سے عاری ہیں، وہ ایسی جماعت ہے جسے اللہ نے اپنے نبی کی صحبت کے لیے اختیار فرمایا تھا، اور اپنے دین کی سر بلندی کے لئے منتخب کیا تھا، لہذا ان کے حقوق و فضائل کو جانو، کیونکہ یہی لوگ راہ راست پر گامزن تھے“ [جامع بیان العلم و فضله: ۹۷/۲]

بنابریں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے منج کو اپنانا، اور اس کے مطابق عمل کرنا ہی اصل کامیابی اور سعادت مندی کی دلیل ہے۔

بلکہ ان میں سے ہر فرد کی محبت مومنوں کی پہچان ہے، جیسا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وحبهم دين وإيمان وإحسان.....“ ”اور ان کی محبت دینداری، ایمان، اور اخلاص (کی علامت ہے)

[العقيدة الطحاوية (ضمن المتون العلمية/۳)، ص: ۱۶۰]

مثلاً: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اہل السنہ والجماعہ اور ان کے مخالفین کا موقف:

اہل غلو (غلاة الرافضة) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض خصائص الہی کا دعویٰ کیا، اور یہ گمان کیا کہ وہ ہر طرح کے گناہوں سے معصوم ہیں۔ دیکھیں: [الفرقان بین الحق والباطل لابن تیمیہ: ص ۲۱-۲۲] اہل جفاء (روافض، نواصب، اور وعیدیہ):

- ۱۔ روافض، انہوں نے صحابہ کرام کی عام جماعت کو گالیاں دیں، لعن طعن کیا، اور خاص طور پر شیخین - ابو بکر و عمر - رضی اللہ عنہما کو کافر گردانا۔ دیکھیں: [الفرقان بین الحق والباطل لابن تیمیہ: ص ۲۳]
- ۲۔ نواصب، جو عموماً صحابہ کو لعن طعن کرتے ہیں، اور خصوصاً آل بیت سے بغض و عناد رکھتے ہیں، اور اپنے اقوال و افعال سے انہیں تکلیف پہنچاتے ہیں۔ [العقیدۃ الواسطیۃ (ضمن المتن العلمیۃ)، ص: ۱۶۳]
- ۳۔ وعیدیہ:

- ا۔ خوارج، انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کی، انہیں کافر کہا، ان پر لعنتیں بھیجیں، اور ان پر طرح طرح کے الزامات عائد کیے۔ دیکھیں: [الفرقان بین الحق والباطل لابن تیمیہ: ص: ۱۹]
- ب۔ معتزلہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ کو فاسق کہا، اور ان کی شہادت کو قابل تردید سمجھا۔ دیکھیں: [تاریخ بغداد للخطیب البغدادی: ۱۷۸/۱۲، و میزان الاعتدال للذہبی: ۳۲۹/۴]

حالانکہ نبی علیہ السلام نے خاص طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی گلوں کرنے سے منع فرمایا ہے: ”لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي؛ فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَا بَلَغَ مُدًّا أَحَدِهِمْ، وَلَا نَصِيفَهُ“ ”میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو، اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا (اللہ کی راہ میں) خرچ کر ڈالے تو ان کے ایک مد (غلہ) کے برابر بھی نہیں ہو سکتا، اور نہ ان کے آدھے مد کے برابر ہو سکتا ہے“ [صحیح البخاری: ح: ۳۶۷۳، و صحیح مسلم: ح: ۲۵۴۱]

چنانچہ جو بھی اس مبارک جماعت کے کسی بھی فرد کو لعن طعن کرے گا وہ ملعون ہے: ”مَنْ سَبَّ أَصْحَابِي، فَعَلِيهِ لَعْنَةُ اللَّهِ، وَالْمَلَائِكَةِ، وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ“ ”جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہے گا اس پر اللہ، اس کے فرشتے، اور تمام لوگوں کی لعنت ہو“ [معجم الطبرانی: ح: ۱۲۷۴۰، و سلسلة الأحاديث الصحيحة: ح: ۲۳۴۰]

بلکہ ان سے بغض رکھنا کفار و منافقین کی پہچان ہے، جیسا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وبغضهم كفر ونفاق وطغيان“ ”اور ان سے بغض رکھنا کفر و نفاق اور سرکشی کی علامت ہے“ [العقیدۃ

الطحاویة (ضمن المتون العلمية ۴/)، ص: ۱۶۰]

چنانچہ ﴿لِيُعِظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ (تاکہ ان سے کافروں کا جی جلے) کا حکم ہر اس شخص پر منطبق ہوگا جو کسی بھی

صحابی رسول ﷺ کی کسرشانی کا ارتکاب کرے گا۔ دیکھیں: [السنة للخلال: ۷۶۰]

اور یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں سے اہل السنہ والجماعہ اپنی براءت کا اظہار کرتے ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ويتبرؤون من طريقة الروافض الذين يبغضون الصحابة و يسبونهم، وطريقة النواصب الذين يؤذون أهل البيت بقول أو عمل“ ”اور (اہل السنہ والجماعہ) روافض کے طریقے سے براءت کرتے ہیں، جو صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے بغض و عناد رکھتے ہیں، اور انہیں بر بھلا کہتے ہیں، (اور اسی طرح) نواصب کے طریقے سے (بھی) براءت کرتے ہیں، جو آل بیت کو قول یا عمل سے تکلیف پہنچاتے ہیں“ [العقيدة

الواسطية (ضمن المتون العلمية)، ص: ۱۶۳]

اہل السنہ والجماعہ، انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کی، اور ان کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی تھا، اور یہ سب اللہ سے راضی تھے، وہ سب کے سب عدل و انصاف پر قائم تھے، اور اس امت کے نبی - صلی اللہ علیہ وسلم - کے بعد یہی لوگ سب سے افضل ہیں، انہی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کی، اور انہی کی بدولت عقیدہ ایمان کو قائم کیا، جو بالکل صاف ستھرا ہے۔ دیکھیں: [عقيدة السلف أصحاب

الحدیث للصابونی: ص ۸۶، ۹۰، ۹۳]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اہل السنہ والجماعہ کا مجمل اعتقاد:

- ۱- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت مسلم ہے۔
- ۲- ان کے درجات متفاضل ہیں۔
- ۳- ان سے محبت کرنا ایمان کی علامت ہے۔
- ۴- ان کے لیے دعا کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔
- ۵- ان کا ذکر خیر کیا جائے۔
- ۶- ان کی رحمت و رأفت کی گواہی دی جائے۔
- ۷- ان کی بشری غلطیوں پر سکوت اختیار کیا جائے۔
- ۸- ان کے آپسی اختلافات پر خاموشی اختیار کی جائے۔

۹۔ ان کے ساتھ جو بغض رکھے، ان سے بغض رکھا جائے۔

۱۰۔ ان کے منہج اور طریقہ کار کی اتباع کی جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں اہل السنہ والجماعہ کا منہج دو اصولوں پر قائم ہے:

۱۔ سلامتِ قلب۔ ۲۔ سلامتِ لسان۔

ان دونوں اصولوں کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح سے بیان فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ اور (ان کے لیے بھی) جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما، اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا رحم کرنے والا ہے“ [سورۃ الحشر: ۱۰۰]

ا۔ آیت کریمہ کا پہلا جزء: ﴿يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾ ”سلامت لسان“ پر دلالت کرتا ہے۔

ب۔ جبکہ آیت کریمہ کا دوسرا جزء: ﴿وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ ”سلامت قلب“ پر دلالت کرتا ہے۔

مومنین کی یہ بڑی عظیم صفت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تئیں ان کے دل بغض و عناد سے پاک، ان کی زبان لعن و طعن، اور سب و شتم سے سالم رہتی ہیں، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ومن أصول أهل السنة والجماعة: سلامة قلوبهم وألسنتهم لأصحاب محمد صلى الله عليه وسلم“ ”اور اہل السنہ والجماعہ کے اصولوں میں سے ایک یہ بھی اصل ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ان کے دل پاک و صاف، اور ان کی زبانیں سالم رہتی ہیں“ [العقيدة الواسطية (ضمن المتن العلمية)، ص: ۱۵۷]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک جماعت کے بارے میں اہل السنہ والجماعہ کا اعتقاد، اور ان کے بنیادی اصولوں سے واضح ہے کہ وہی اہل غلو و اہل جفاء کے درمیان وسطیت پر قائم ہیں۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

(چھٹیس قسط)

کتاب ”چاردن قربانی“ پر اعتراضات کے جوابات

زیر نگی عالیباوی

بلال صاحب نے شیخ سنابلی حفظہ اللہ کی کتاب یزید بن معاویہ کے حوالے سے ایک راوی سے متعلق جمہور کی توثیق کی بات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

حجیہ بن عدی بھی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں۔ (چاردن قربانی؟ ص: ۱۱)

اول تو شیخ سنابلی حفظہ اللہ نے ایک کتاب ”انوار المبرر“ لکھی ہے اور اس میں واضح کر دیا ہے کہ:

جرح و تعدیل میں اگر تعارض ہو تو بعض حالات میں جمہور کا قول مقدم ہوگا مگر ہمیشہ یا عموماً جمہور کے قول کو مقدم کرنے والی بات ہماری نظر میں درست نہیں ہے، ہم نے فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر وصی اللہ عباس حفظہ اللہ سے لئے گئے انٹرویو میں یہ سوال بھی پوچھا تھا جس کے جواب میں آپ نے بھی یہی کہا تھا کہ ووٹنگ والا یہ اصول درست نہیں ہے۔ (انوار المبرر: ص: ۵۶)

دوسرے یہ کہ حجیہ کی صریح توثیق جمہور محدثین سے ثابت ہی نہیں بلکہ صرف اور صرف تنہا امام عجمی نے انہیں صراحتاً ثقہ کہا ہے۔

باقی دیگر اہل علم کی بنیاد بلال صاحب ہی کے اصول سے امام عجمی کی توثیق ہی ہے۔ پھر جمہور کی توثیق کہاں سے آگئی؟ اور رہی تصحیح والی ضمنی توثیق تو صریح اقوال کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

بلال صاحب نے ابن القطان کی طرف سے حجیہ کی توثیق اور ان کا دفاع نقل کیا ہے۔ (چاردن قربانی؟ ص: ۱۲)

ابن القطان کے کلام کی حقیقت سمجھنے کے لیے دیکھیں: (چاردن قربانی کتاب و سنت کی روشنی میں: ص: ۲۲۹ تا ۲۳۳)

بلال صاحب نے یہاں ابن القطان رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ بھی کہا کہ عبدالحق اشبیلی کی جرح کی بنیاد ابو حاتم کا کلام ہے۔ (چاردن قربانی؟ ص: ۱۲)

لیکن بلال صاحب کو یہ نظر نہیں آیا کہ خود ابن القطان کی توثیق کی بنیاد امام عجمی کی توثیق ہی ہے۔

بلال صاحب نے بغیر کسی دلیل کے یہ جملانے کی کوشش کی ہے کہ ابن عساکر کی جرح کی بنیاد ابن سعد کی جرح ہو سکتی ہے۔ (چاردن قربانی؟ ص: ۱۳)

پھر بلال صاحب نے جتنی بھی توثیق پیش کی ہے ان سب کی جرح کی بنیاد امام عجمی کی توثیق ہو سکتی ہے! کیا خیال ہے؟

رہی بات غیر مفسر کی تو دیگر ائمہ نے مفسر جرح بھی کی ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس پر مفسر جرح کی ہے، جس کا مطلب یہ کہ انہوں نے بھی مفسر جرح سمجھا ہے۔

ایک دیوبندی عالم نے بعض غیر ناقدین اہل علم اور معاصرین کے اقوال کو باقاعدہ نمبر ڈال کر ناقدین محدثین کے ساتھ گنایا اور ان سے حجت دلیل پکڑتے ہوئے انہیں مخالف ناقدین کے خلاف پیش کیا تو اس پر شیخ سنابلی حفظہ اللہ نے رد کیا، کہ یہ ناقدین کے حوالے نہیں ہیں اس لیے غیر معتبر ہیں۔

اس کا حوالہ دے کر بلال صاحب نے اس پر سوال اٹھاتے ہوئے کہا کہ:

سوال اٹھتا ہے کہ جحیہ بن عدی کو ضعیف قرار دینے والے علامہ مقبل تحریر تقریب التہذیب کے مؤلفین (دکتور بشار، شعیب الارنؤوط) ماہر الفحل، شعیب ارنؤوط اور ان کے رفقاء کے حوالے معتبر کیوں ہو گئے؟ کیا یہ معاصرین اور ناقدین نہیں ہیں؟ (چاردن قربانی؟ ص: ۱۴)

بلال صاحب یہ بتائیے کہ شیخ سنابلی حفظہ اللہ نے کیا ان معاصرین کے اقوال کو ناقدین کے اقوال کے ساتھ باقاعدہ نمبرز ڈال کر بطور دلیل پیش کیا ہے؟ اگر ان کی کسی بھی عبارت سے ایسا لگتا ہے تو وہ عبارت پیش کریں، ورنہ مغالطہ بازی سے باز آجائیں کیونکہ ایک عامی بھی سمجھ سکتا ہے کہ شیخ سنابلی نے یہ اقوال جحیہ کی تضعیف میں بطور دلیل نہیں بلکہ انہیں ضعیف ماننے میں اپنے موقف کی تائید میں پیش کیا اور یہ بتانا چاہا ہے کہ ان کی طرح دیگر کئی محققین بھی یہی موقف رکھتے ہیں۔

لیکن دیوبندی عالم اعجاز اشرفی صاحب نے ناقدین ائمہ کے ساتھ غیر ناقدین ائمہ اور معاصرین کے اقوال کو باقاعدہ نمبرز ڈال کر گنایا اور بانگ دہل ان سے حجت بھی پکڑا، چنانچہ اعجاز اشرفی صاحب نے عنوان قائم کیا ”مؤمل بن اسماعیل پر جرح“ پھر لکھا:

مندرجہ ذیل محدثین کرام نے مؤمل بن اسماعیل پر جرح کی ہے، اس کے بعد باقاعدہ نمبرز ڈال کر ایک سے لے کر پچاس نام گنائے۔ (نماز میں ہاتھ باندھنے کا مسنون طریقہ: ص: ۱۳۹ تا ۱۴۲)

یہی حرکت موصوف نے دوسری جگہوں پر بھی کیا ہے، اس لیے ہر صاحب علم اس کا نوٹس لے گا اور واضح کرے گا کہ یہ پچاس کی گنتی فضول ہے۔

دراصل دیوبندی عالم اعجاز اشرفی جیسا طرز عمل خود بلال صاحب نے بھی اختیار کیا ہے، اور باقاعدہ نمبرز ڈال کر جحیہ کی توثیق میں چھبیس نام گنائے ہیں، جن میں غیر ناقدین اور معاصرین کو بھی شامل کر کے ان پر نمبرز ڈال دیا ہے۔

جبکہ شیخ سنابلی حفظہ اللہ نے ناقدین کے اقوال کو بالکل الگ لے کر بحث کی ہے۔ دیکھئے: (چاردن قربانی کتاب وسنت

کی روشنی میں: ص: ۲۰۵ تا ۲۱۲)

پھر ناقدین کے اقوال پر بحث کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے عنوان قائم کیا:

ائمہ ناقدین کے کلام کا خلاصہ و نتیجہ (چاردن قربانی کتاب و سنت کی روشنی میں: ص: ۲۰۵ تا ۲۱۲)

اس کے بعد دیگر ائمہ کے ایسے اقوال پیش کئے ہیں جنہوں نے یا تو اپنے اجتہاد سے کلام کیا ہے یا اپنے سے پیش رو ناقدین کی بنیاد پر کلام کیا ہے۔ اس کے بعد معاصرین کی تحقیق کا عنوان قائم کر کے معاصرین کے اقوال کو بالکل اخیر میں ذکر کیا ہے یہ بتانے کے لیے ان اہل علم کی تحقیق بھی وہی ہے، جیسا کہ عنوان ہی سے ظاہر ہے۔

لیکن اتنی واضح حقیقت کے باوجود بھی بلال صاحب نے اپنے قارئین کو یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ شیخ سنابلی نے معاصرین کے اقوال کو دلیل بنا لیا، اور ایسا اس لیے کہ بلال صاحب کو خود یہ کام انجام دینا تھا، چنانچہ بلال صاحب نے اس اتہام کے فوراً بعد عین یہی کام کیا جیہ بن عدی کی توثیق کا عنوان قائم کر کے ایک نمبر ڈال کر امام عجل کی توثیق پیش کی ہے، جو کہ اس راوی کے حق میں اکلوتی توثیق ہے۔

اس کے بعد تسلسل کے ساتھ نمبرز ڈالتے گئے اور اخیر میں معاصرین کے اقوال کو بھی اسی انداز میں گنا ڈالا اور کل عدد چھبیس تک پہنچادی۔ حالانکہ امام عجل کے بعد کسی بھی امام سے صریح توثیق ثابت نہیں ہے اس لیے موصوف کو مجبوری میں یہ اقدام کرنا پڑا۔

بہر حال ان سارے حوالوں کو دیکھ لیتے ہیں۔

امام عجل کی توثیق ثابت ہے لیکن امام ابن سعد، امام ابن المدینی اور امام ابو حاتم کی جرح کی مقابلے میں غیر مقبول ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: (چاردن قربانی کتاب و سنت کی روشنی میں: ص: ۲۱۹ تا ۲۲۳)

دوسرے نمبر پر بلال صاحب نے امام بو شعی کی توثیق پیش کی ہے۔

حالانکہ پہلے بلال صاحب نے یہ توثیق پیش نہیں کی تھی بلکہ شیخ سنابلی حفظہ اللہ نے خود ہی اپنی کتاب میں اس توثیق کو نقل کر کے واضح کیا کہ اس کا تعلق دوسرے راوی سے ہے، بلال صاحب نے اسے غنیمت جانا اور یہاں سے اس توثیق کو اچک کر اپنی مزعومہ فہرست میں گنا دیا۔ اور شیخ سنابلی حفظہ اللہ کی وضاحت پر لپٹا پوتی کر دی۔ شیخ سنابلی حفظہ اللہ نے لکھا تھا:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تہذیب میں محمد بن ابراہیم بو شعی سے بھی اس کی توثیق نقل کی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ محمد بن ابراہیم بو شعی نے ابو الزعرار یعنی عبد اللہ بن ہانی کی توثیق ہے جو سلمہ بن کہیل کے استاذ اور علی رضی اللہ عنہ کے

شاگرد ہیں، اور سلمہ بن کہیل کے مشائخ اور علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں اس کنیت والے دوراوی ہیں ایک ججیہ بن عدی اور دوسرے عبداللہ بن ہانی، لیکن اس کنیت سے شہرت ہانء بن عبداللہ (کتابت کی غلطی ہے والصواب عبداللہ بن ہانی) ہی کی ہے اور رواۃ سندوں میں ان کا تذکرہ ہی اس کنیت سے کرتے ہیں۔ جبکہ ججیہ بن عدی اس کنیت سے مشہور نہیں ہیں اور نہ رواۃ کا یہ معمول ہے کہ وہ ججیہ بن عدی کا تذکرہ ان کی کنیت سے کرتے ہوں۔ اس لیے غالب پہلو یہ ہے کہ متعلقہ سند میں أبو الزعراء سے مراد عبداللہ بن ہانی ہیں اور انہی کی توثیق محمد بن ابراہیم البوشنجی نے کی ہے۔ رہی بات یہ کہ امام برقانی نے أبو الزعراء کی تعیین ججیہ بن عدی سے کی ہے تو یہ امام برقانی کی تعیین ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ محمد بن ابراہیم بوشنجی نے بھی انہی کی تعیین کر کے توثیق کی ہو۔

علاوہ بریں امام برقانی نے یہ تعیین سند کے رواۃ سے نقل نہیں کی ہے بلکہ خود یہ کہتے ہوئے استدلال کیا ہے کہ یہاں علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور ان سے أبو الزعراء عبداللہ بن ہانی کی روایت نہیں آتی بلکہ أبو الزعراء ججیہ بن عدی ہی کی روایت آتی ہے اس لیے یہی مراد ہیں۔

لیکن اس استدلال کی بنیاد ہی غلط ہے کیونکہ علی رضی اللہ عنہ سے أبو الزعراء عبداللہ بن ہانی کی بھی روایت ہے جیسا کہ امام ابن سعد نے کہا ہے۔ دیکھیں: [الطبقات الکبریٰ ط دار صادر: ۱۷۱/۶]

اور یہ بات اس استدلال کو بہت کمزور کر دیتی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے جب أبو الزعراء ججیہ بن عدی کی روایت آتی ہے تو ان کی کنیت أبو الزعراء سے نہیں بلکہ صرف ان کے نام ججیہ بن عدی کی صراحت سے آتی ہے۔ جبکہ علی رضی اللہ عنہ سے جب أبو الزعراء ہانء بن عبداللہ (کتابت کی غلطی ہے والصواب عبداللہ بن ہانی) کی روایت آتی ہے تو ان کے نام عبداللہ بن ہانی کے ساتھ یا ان کی کنیت أبو الزعراء کے ساتھ آتی ہے۔

اس لیے یہ پہلو راجح ہے کہ یہاں أبو الزعراء سے عبداللہ بن ہانی ہی مراد ہیں۔ اور یہ ترجیح نہ مانی جائے تو یہاں دونوں میں سے کسی کا نام متعین نہیں اس لیے محمد بن ابراہیم بوشنجی کی توثیق کو کسی پر بھی فٹ نہیں کیا جاسکتا۔ (چاردن قربانی کتاب وسنت کی روشنی میں: ص: ۲۱۸ تا ۲۱۷)

بلال صاحب امام برقانی کی تعیین کو رد کیے جانے پر لکھتے ہیں:

”محترم کی قیاس آرائیوں کے مقابلے میں محدثین کی بات معتبر ہے“۔ (چاردن قربانی؟ ص: ۱۵)

حالانکہ یہ قیاس آرائی نہیں ہے بلکہ دلیل کی بنیاد پر بحث ہے کیونکہ امام برقانی نے ایک دلیل کی بنیاد پر تعیین کی ہے اور اسی دلیل کو شیخ سنابلی حفظہ اللہ نے غلط ثابت کیا ہے، لہذا جب بنیاد غلط ہے تو اس بنیاد پر قائم کردہ استدلال بھی غلط ہے۔

آگے بلال صاحب نے امام برقانی کے صرف استدلال کو نقل کر کے کہا ہے یہی درست ہے۔

حالانکہ شیخ سنابلی نے جس دلیل سے اسے غلط ثابت کیا تھا، بلال صاحب نے اسے گول کر دیا، یہ دلیل اوپر پورے اقتباس میں ذکر ہے، دوبارہ ملاحظہ کریں:

”علاوہ بریں امام برقانی نے یہ تعین سند کے روادے سے نقل نہیں کی ہے بلکہ خود اپنے طور پر استدلال کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ یہاں علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور ان سے ابو الزعراء عبد اللہ بن ہانی کی روایت نہیں آتی بلکہ ابو الزعراء حنیہ بن عدی ہی کی روایت آتی ہے اس لیے یہی مراد ہیں۔“

لیکن اس استدلال کی بنیاد ہی غلط ہے کیونکہ علی رضی اللہ عنہ سے ابو الزعراء عبد اللہ بن ہانی کی بھی روایت ہے جیسا کہ امام ابن سعد نے کہا ہے۔ دیکھیں: [الطبقات الكبرى ط دار صادر: ۱۷۱/۶] (چاردن قربانی کتاب وسنت کی روشنی میں: ص: ۲۱۸)

اس کے بعد شیخ سنابلی نے امام برقانی کی تعین کو غلط ثابت کرنے کے لیے دوسری دلیل تھی وہ کہ:

اور یہ بات اس استدلال کو بہت کمزور کر دیتی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے جب ابو الزعراء حنیہ بن عدی کی روایت آتی ہے تو ان کی کنیت ابو الزعراء سے نہیں بلکہ صرف ان کے نام حنیہ بن عدی کی صراحت سے آتی ہے۔ جبکہ علی رضی اللہ عنہ سے جب ابو الزعراء ہان بن عبد اللہ (کتابت کی غلطی ہے والصواب عبد اللہ بن ہانی) کی روایت آتی ہے تو ان کے نام عبد اللہ بن ہانی کے ساتھ یا ان کی کنیت ابو الزعراء کے ساتھ آتی ہے۔ (چاردن قربانی کتاب وسنت کی روشنی میں: ص: ۲۱۸) بلال صاحب نے اس دوسری دلیل کو یہ کہتے ہوئے پیش کیا ہے کہ:

”سنابلی صاحب امام برقانی کی تعین کو غلط ثابت کرنے کے لیے لکھتے ہیں:“ (چاردن قربانی؟ ص: ۱۵)

حالانکہ شیخ سنابلی اس سے پہلے ہی دلیل کے ساتھ امام برقانی کی تعین کو غلط ثابت کر چکے ہیں، جس کے جواب سے عاجز ہونے کی بنا پر بلال صاحب نے اسے گول کر دیا۔ اور صرف اس دوسری دلیل کا جواب دیا ہے لکھتے ہیں:

عرض ہے کہ یہ کہنا (علی رضی اللہ عنہ سے جب ابو الزعراء حنیہ بن عدی کی روایت آتی ہے تو ان کی کنیت ابو الزعراء سے نہیں بلکہ صرف ان کے نام حنیہ بن عدی کی صراحت سے آتی ہے) صحیح نہیں ہے کیونکہ حنیہ بن عدی کی روایت سیدنا علی سے ان کی کنیت ابو الزعراء سے بھی آتی ہے، ملاحظہ ہو۔ [السنن الكبرى للبيهقي: ۴۷۲/۸، ج: ۱، ص: ۱۷۲۵۸، غریب الحدیث للحرابی: ۷۷۴/۲] (چاردن قربانی؟ ص: ۱۶)

لیکن اس دوسری دلیل کا جواب بھی بلال صاحب سے نہیں بن پڑا انہوں نے دعویٰ تو کر دیا کہ ”السنن الكبرى

للبیہقی“ اور ”غریب الحدیث للحربی“ میں جحیہ بن عدی کی روایت سیدنا علی سے ان کی کنیت ابو الزعراء سے بھی آئی ہے اور حوالہ بھی دے دیا، لیکن ان دونوں حوالوں میں سے کسی بھی حوالے میں یہ بات نہیں ہے، دونوں حوالوں کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

بیہقی کی روایت کے الفاظ: قال الشيخ رحمه الله أخبرنا أبو بكر أحمد بن الحسن وأبو سعيد بن أبي عمرو، قالوا: ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب، ثنا محمد بن إسحاق، ثنا أبو الجواب، ثنا عمار، عن سلمة بن كهيل، عن أبي الزعراء، عن علي رضي الله عنه أنه كان إذا أخذ اللص قطعه، ثم حسمه، ثم ألقاه في السجن، فإذا برئوا وأراد أن يخرجهم، فقال: ارفعوا أيديكم إلى الله، كأنى أنظر إليها كأنها أيور الحمر، فيقول: من قطعكم؟ فيقولون: علي، فيقول: اللهم صدقوا، فيك قطعتم، وفيك أرسلتهم [السنن الكبرى للبيهقي: ٤٧٢/٨، رقم: ١٧٢٥٨]

ابراہیم حربی کی روایت کے الفاظ: حدثنا طاهر بن أبي أحمد حدثنا أبي عن عمار عن سلمة بن كهيل عن ابي الزعراء. ”كان على إذا أحد لصا قطعه وحسمه. فإذا أخرجهم قال: ارفعوا أيديكم فكأنى أنظر إليها مثل أيور الحمر قال إبراهيم: هذا يدل على أنه قطعهم من المفصل وكذا حكى عنه حجية وأبو إسحاق الكعبي. وأبو خيرة وأبو صادق والقاسم بن عبد الرحمن. وروى عنه انه قطع أربع أصابع وترك الإبهام“ [غریب الحدیث للحربی: ٧٧٤/٢]

اب کوئی خوردین سے بھی دیکھے تو ان دونوں روایات میں سے کسی بھی روایت میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یہاں ابو الزعراء یہ جحیہ بن عدی ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں سندوں میں ابو الزعراء سے مراد جحیہ بن عدی قطعاً نہیں ہے جیسا کہ خود ان دونوں کتابوں کے مصنف امام بیہقی اور امام ابراہیم حربی نے صراحت کر دی ہے، اور امام بیہقی نے ابن المدینی سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس روایت سے پہلے ”عبد الملک بن أبجر، عن سلمة بن كهيل، عن حجية بن عدی، قال: كان على رضي الله عنه“ کی سند سے اسی مفہوم کی روایت بیان کی ہے اس کے بعد کہا کہ: ”وقد روى هذا الحديث عمار بن رزيق الضبي عن سلمة بن كهيل، فخالف ابن أبجر في إسناده“ ”اسی حدیث کو عمار بن رزيق الضبي نے سلمة بن كهيل کے طریق سے روایت کیا اور اس کی سند میں ابن أبجر کی

مخالفت کی ہے“ [السنن الكبرى للبيهقي: ٤٧٢/٨، رقم: ١٧٢٥٨]

اس کے بعد امام بیہقی رحمہ اللہ نے عمار بن رزیق الضحیٰ کی وہی روایت پیش کی ہے جس کا حوالہ بلال صاحب نے دیا ہے۔ ذرا غور کیجیے کہ اگر عمار بن رزیق الضحیٰ کی روایت میں بھی ابوالزعراء سے مراد جحیہ بن عدی ہی ہوتے تو امام بیہقی رحمہ اللہ یہ کیوں کہتے کہ عمار بن رزیق الضحیٰ نے ابن ابجر کی مخالفت کی ہے؟

کوئی عقلمند سمجھائے کہ جب دونوں سند میں سارے رواۃ یکساں ہیں تو دوسری سند پہلی سند کے خلاف کیسے ہو گئی؟ ثابت ہوا کہ بلال صاحب کی پیش کردہ روایت میں بھی ابوالزعراء سے مراد جحیہ بن عدی قطعاً نہیں ہیں۔ امام بیہقی نے سند کے اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد امام ابن المدینی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

”قال علی بن المدینی فی الإسناد الأول: والحديث عندی حدیث ابن ابجر“

”علی بن المدینی رحمہ اللہ نے پہلی سند کے بارے میں کہا: میرے نزدیک درست حدیث ابن ابجر کی حدیث ہے

[السنن الکبریٰ للبیہقی: ۴۷۲/۸ رقم: ۱۷۲۵۸]

اس سے معلوم ہوا کہ ابن المدینی رحمہ اللہ بھی ابوالزعراء سے جحیہ بن عدی کو مراد نہیں لے رہے، اسی لیے وہ اس سند کو درست کہہ رہے جس میں جحیہ بن عدی کا ذکر ہے، اور جس سند میں ابوالزعراء کا ذکر ہے اسے غلط قرار دے رہے ہیں، اگر دونوں سند میں ایک ہی راوی ہوتا تو ابن المدینی رحمہ اللہ ایک کو دوسرے کے خلاف بتا کر ایک سند کو درست اور دوسری سند کو غلط نہیں کہتے۔

اب ابراہیم الحرابی کی روایت دیکھیے کہ انہوں نے ابوالزعراء کی روایت نقل کرنے کے بعد کہا ہے:

”هذا يدل علی أنه قطعهم من المفصل و كذا حکى عنه حجية“

”یہ اس بات کی دلیل ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے مفصل سے ہاتھ کاٹا تھا، اور اسی طرح کی جحیہ نے بھی علی رضی اللہ عنہ

عنه سے روایت کیا ہے“ [غریب الحدیث للحرابی: ۷۷۴/۲]

ابراہیم حرابی کا علی رضی اللہ عنہ سے ابوالزعراء کی روایت کے بعد یہ کہنا کہ اسی طرح جحیہ نے بھی علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، زبردست دلیل ہے کہ ابوالزعراء سے جحیہ نہیں مراد ہے بلکہ عبد اللہ بن ہانی ہی مراد ہے۔

اب قارئین انصاف کریں کہ یہ مغالطہ بازی کی حد نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا ایسے لوگ اس لائق ہیں کہ ان کے بیان اور ان کے نقل پر اعتماد کیا جاسکے؟ اگر کوئی بندہ اصل کتاب کھول کر نہ دیکھے تو وہ بے چارہ ان کے جھانسنے میں آہی جائے گا۔

قارئین آپ نے دیکھ لیا کہ شیخ سنابلی حفظہ اللہ کی پیش کردہ دوسری دلیل کا جواب بھی بلال صاحب کے پاس نہیں ہے انہوں نے مغالطہ سے کام لے کر جواب دینے کی کوشش کی تھی، لیکن اس کی حقیقت بیان کی جا چکی ہے۔

بلال صاحب شیخ سنابلی حفظہ اللہ کی پہلی دلیل گول کر کے دوسری دلیل کے جواب میں مغالطے سے کام چلانے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

عرض ہے کہ جب امام برقانی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے ابوالزعراء کی صریح تعیین جحیہ بن عدی سے کر کے ہر طرح کے شبہ کو رفع کر دیا ہے تو موصوف کی حقیقت، غالب پہلو، یا ذاتی ترجیح ان ائمہ کی صریح نص کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہے؟ (چاردن قربانی؟ ص: ۱۶)

راقم عرض کرتا ہے کہ امام برقانی نے جس دلیل کی بنیاد پر تعیین کی تھی وہ غلط ثابت ہو چکی ہے، بلکہ امام برقانی کی تردید امام علی ابن المدینی، امام ابراہیم الحربی اور امام بیہقی رحمہم اللہ کے مذکورہ اقوال سے بھی ہو گئی، کیونکہ انہوں نے سند میں ابوالزعراء نے پر اس سے جحیہ بن عدی کو مراد نہیں لیا ہے۔

رہی بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تو انہوں نے صرف نقل کیا ہے اور خود سے کوئی تعیین نہیں کی ہے بلکہ انہوں نے تو صرف یہ کہا ہے کہ: ”ووثق أبو عبد الله محمد بن إبراهيم البوشنجي أبا الزعرار المذكور في الإسناد الماضي فقال هو ثقة مأمون“

”أبو عبد الله محمد بن إبراهيم البوشنجي نے اس ابوالزعرار کی توثیق کی ہے جو گزشتہ سند میں مذکور ہے چنانچہ کہا: وہ ثقہ اور مأمون ہے“ [تہذیب التہذیب: ۲/۱۷۱]

دیکھیں ابن حجر رحمہ اللہ صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ سند میں جو ابوالزعرار مذکور ہے اس کی امام بوئنجی نے توثیق کی ہے۔ اب یہ کون ہے اس کی تعیین ابن حجر رحمہ اللہ نے نہیں کی ہے بلکہ اس سے پہلے صرف امام برقانی کا کلام نقل کیا ہے۔ بالفرض مان بھی لیں کہ امام برقانی اور ابن حجر رحمہما اللہ نے ابوالزعرار کی تعیین جحیہ سے کی ہے، تو یہ خلاف دلیل ہونے کے ساتھ امام علی ابن المدینی، امام ابراہیم الحربی اور امام بیہقی رحمہم اللہ کے موقف کے بھی خلاف ہے کیونکہ یہ ائمہ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے ابوالزعرار کو جحیہ بن عدی نہیں مانتے۔

فائدہ:

امام برقانی نے جس سند میں ابوالزعرار کو جحیہ بن عدی بتایا ہے اسی سند کو ”فتنة مقتل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ“ کے مؤلف نقل کرنے کے بعد ابوالزعرار پر حاشیہ نمبر ۶۷۱ ڈال کر نیچے لکھتے ہیں:

”عبد الله بن هانء، أبو الزعرار الأكبر، الكوفي،“ یعنی ابوالزعرار سے مراد عبد اللہ بن ہانء، أبو

الزعرار الأكبر، الكوفي [فتنة مقتل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: ۲/۸۸۶]

اصحابِ اعراف: ایک تحقیقی جائزہ

عبدالکریم رواب علی سنابلی (الخبیر سعودی عرب)

قرآن کریم کی آیت کریمہ ہے:

﴿وَنَادَى أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رَجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمَاهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ

تَسْتَكْبِرُونَ﴾

”اور اہل اعراف بہت سے آدمیوں کو ان کے قیافے سے پہچانیں گے اور کہیں گے کہ تمہاری جماعت اور تمہارا

اپنے کو بڑا سمجھنا تمہارے کچھ کام نہ آیا“ [الاعراف: ۴۸]

اس آیت میں اصحابِ اعراف سے مراد کون ہیں؟ وہ جنتیوں اور جہنمیوں کو کیسے پہچانیں گے؟ قیامت کے روز ان کا

کیا حشر ہوگا؟ ان کا آخری ٹھکانہ کیا ہوگا؟ ان تمام نکات پر بحث کرنے سے پہلے آئیے ”اعراف“ کا لغوی و شرعی مفہوم

سمجھتے ہیں۔

اعراف کی لغوی و شرعی تشریح: (۱) اعراف یہ عرف کی جمع ہے۔ جس کا معنی ہے ”ظہر کل عالٍ من الرمل

و الجبل و السحاب و غیرہا“ ”ریت، پہاڑ یا بادل وغیرہ کی اونچائی کو اعراف کہتے ہیں“ [المعجم الرائد]

(۲) یہ عرف کی جمع ہے۔ جس کا معنی ہے ”عُرف الجبل و نحوہ ، اعلاہ ، و يطلق علی لسور ایضاً“

”پہاڑ کی بلندی، اس کا اطلاق چہار دیواری پر بھی ہوتا ہے“ [المعجم الوسيط]

(۳) امام طبری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”الاعراف جمع و احدھا عُرف ، و کل مرتفع من الارض عند العرب فهو عرف و انما قيل

لعرف الديك عُرف لارتفاعه على ما سواه من جسده“ ”اعراف جمع ہے اس کا واحد عُرف ہے، زمین

کے بالائی حصہ کو عرب عُرف کہتے ہیں۔ اسی طرح مرغ کی کُلغی کو بھی عُرف کہتے ہیں چونکہ یہ جملہ جسم کے دیگر حصوں

سے اونچا ہوتا ہے“

اعراف کی شرعی تعریف: اس بارے میں علماء کے متعدد اقوال پائے جاتے ہیں۔ چند اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اعراف وہ اونچی جگہ ہے جہاں سے جنت و جہنم نظر آئیں گے۔

(۲) اعراف وہ دیوار ہے جو جنت و جہنم کے درمیان حد فاصل ہے۔

(۳) اعراف جنتیوں اور جہنمیوں کے درمیان حائل پردہ کا نام ہے۔ (مجاہد کا قول ہے)

(۴) اعراف جنت و جہنم کے درمیان دیوار کا نام ہے۔ (امام قرطبی کا قول ہے)

(۵) ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”اعراف اس دیوار کا نام ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے

جو جنتیوں اور جہنمیوں کے درمیان حائل ہوگی۔

قارئین کرام: تمام اقوال کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ دراصل اعراف ایک ایسی اونچی دیوار کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ

قیامت کے دن جنت و جہنم کے درمیان قائم کرے گا۔ جہاں سے اصحاب اعراف جنتیوں اور جہنمیوں دونوں کو جھانکیں

گے اور ان کی نشانیوں سے انہیں پہچان لیں گے۔ اسی طرف اللہ تعالیٰ نے سورہ حدید میں اشارہ کیا ہے:

﴿يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا

وَرَأْيَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُورٍ لَهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ﴾

”اس دن منافقین مومنوں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظام کرو تا کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں۔

جواب دیا جائے گا تم اپنے پیچھے ہٹ جاؤ اور روشنی تلاش کرو، پھر ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس

میں دروازہ بھی ہوگا اس کے اندرونی حصہ میں رحمت ہوگی (جنت کی طرف کا حصہ) اور باہر کی طرف عذاب (جہنم کی

طرف کا حصہ)“

گویا قیامت کے دن حساب و کتاب کا مرحلہ ختم ہو جائے گا اور جنتی و جہنمی اپنے ٹھکانوں تک پہنچا دیئے جائیں گے

پھر اللہ تعالیٰ ان کے درمیان ایک اونچی دیوار حائل کر دے گا اسی دیوار کا نام اعراف ہے۔

اصحاب اعراف کی وجہ تسمیہ: اصحاب اعراف کو اس نام سے موسوم کیے جانے کی دو وجہیں ہیں:

(۱) چونکہ اصحاب اعراف جنتیوں اور جہنمیوں کو ان کی نشانیوں سے پہچان لیں گے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

”وَإِذَا نظَرُوا إِلَى أَهْلِ النَّارِ وَعَرَفُوهُمْ بِسُودِ أَلْوَانِهِمْ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ،

وَإِذَا نظَرُوا إِلَى أَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَفُوهُمْ بِبَيَاضِ وَجُوهِهِمْ“

”جب اصحاب اعراف دوزخیوں کو دیکھیں گے تو انہیں ان کے چہرے کی سیاہی سے پہچان لیں گے اور کہیں گے

اے اللہ ہمیں ظالم لوگوں میں سے نہ بنا، اور جب جنتیوں کی طرف دیکھیں گے تو انہیں ان کے چہرے کی سفیدی سے

پہچان لیں گے“

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اصحاب اعراف ”اعراف پر کھڑے ہوں گے اور اعراف کا مطلب ہی ہے ”جنت و جہنم کے درمیان اونچی جگہ“ لہذا اعراف کو اس کے معنی سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہی دوسرا قول راجح اور اولیٰ ہے۔
اصحاب اعراف کون ہیں؟ اصحاب اعراف کون ہیں؟ اس تعلق سے مفسرین کی تعبیریں مختلف ہیں۔ اور مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ چند مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ”قوم استوت حسناتہم و سیئاتہم فجعلوا ہناک الی ان یقضی اللہ فیہم ما یشاء ثم یدخلہم بفضل رحمۃ لہم“

”اصحاب اعراف سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور گناہ دونوں برابر ہوں گے۔ ایسے لوگوں کو اعراف پر رکھا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انہیں جنت میں داخل کرے گا“ (ابن مسعود، حذیفہ بن یمان، ابن عباس، شعبی، ضحاک اور سعید بن جبیر وغیرہم کا قول ہے)

(۲) اہل اعراف وہ لوگ ہیں جو والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے نکلے اور قتل ہو گئے۔ دخول جنت سے اس لیے روک دیا گیا چونکہ والدین کی مرضی کے خلاف کیا اور جہنم سے اس لیے بچ گئے چونکہ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے۔ (یہ رائے شرجیل بن سعد کی ہے)

(۳) اہل اعراف مومنوں کی ایک باسعادت جماعت ہے جو لوگوں کے احوال کا جائزہ لینے کے لئے دونوں جماعتوں کا مشاہدہ کر لے گی۔ (امام شوکانی اور مجاہد)

(۴) کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ انبیاء کی ایک جماعت ہوگی۔

(۵) ایک قول یہ ہے کہ اصحاب اعراف فرشتوں کی ایک جماعت ہے جو مومنوں اور کافروں کو الگ کرنے کے لیے اس دیوار پر مامور ہوگی۔

(۶) ایسی جماعت جن سے والدین میں سے کوئی راضی تھا لیکن کوئی راضی نہیں تھا، لہذا اعراف پر روک لیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ کر کے جنت میں داخل کرے گا۔

(۷) ایک قول یہ ہے کہ اہل اعراف دراصل اولاد الزنا ہیں۔

راجح قول: صحابہ کرام کے اقوال، آثار اور دیگر اسانید کی روشنی میں پہلا قول راجح اور بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب اعراف وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں و برائیاں دونوں برابر ہوں گی۔

روز قیامت اصحاب اعراف کی حالت: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میزان قائم کرے گا، محاسبہ شروع ہوگا، ذرہ ذرہ

کا حساب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ. وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ﴾

”قیامت کے دن انصاف کا میزان ہوگا لہذا جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا“ [الاعراف: ۸-۹]

گویا جس کی ایک بھی نیکی زیادہ ہوگی جنت میں داخل ہوگا اور جس کا ایک گناہ بھی زیادہ ہوگا وہ جہنم میں داخل ہوگا، دریں اثنا کچھ ایسے لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں دونوں برابر ہوں گی وہ اصحاب اعراف ہوں گے، انہیں صراط پر روک لیا جائے گا، اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے: ﴿وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ﴾ [الاعراف: ۴۶] اہل جنت اور اہل جہنم کو ان کے ٹھکانوں تک پہنچائے جانے کے بعد ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ڈال دی جائے گی اور اعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہوں گے وہ لوگ ہر ایک کو ان کے قیافہ سے پہچانیں گے۔ اور اہل جنت کو پکار کر کہیں گے ”السلام علیکم“ ابھی یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہیں ہوں گے اور جنت میں داخل ہونے کے امیدوار ہوں گے اور ان کی نگاہیں جب اہل دوزخ کی طرف جا پڑیں گی تو کہیں گے اے اللہ! ہمیں ان ظالموں کے ساتھ شامل مت کرنا۔

اسی طرح اہل جنت کو ایک نور مہیا ہوگا جس کی روشنی میں وہ چلیں گے لیکن جب صراط پر پہنچیں گے تو اللہ تعالیٰ منافقین کے نور کو سلب کر لے گا ایسے موقع پر اہل جنت کہیں گے ﴿يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاعْفِرْ لَنَا﴾ ”مومنین کہیں گے اے اللہ ہمارے نور کو قائم رکھنا اور ہماری مغفرت فرما“ [التحریم: ۸]

اور اہل اعراف کا نور ان کے ہاتھوں میں رہے گا۔ اگرچہ وہ جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے پھر بھی وہ نور کی بقا کے لیے تمنا کریں گے۔ قرآن کی آیت کریمہ ہے:

﴿يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَائِكُمْ فَاتِّمِسُوا نُورًا فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ﴾

”قیامت کے دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمانداروں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار تو کرو تا کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں۔ جواب دیا جائے گا کہ تم اپنی جگہ لوٹ جاؤ اور نور تلاش کرو، پھر ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی“ [الحديد: ۱۳]

یہی دیوار ہے جس کا نام اعراف ہے۔

اصحاب اعراف کے بارے میں ایک دوسری آیت ہے:

﴿وَنَادَى أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمَاهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ

تَسْتَكْبِرُونَ﴾

”اور اہل اعراف بہت سے آدمیوں کو جن کو ان کے قیافہ سے پہچان لیں گے پکار کر کہیں گے کہ تمہاری جماعت اور

تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا تمہارے کچھ کام نہ آیا“ [الاعراف: ۴۸]

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب اعراف کو یہ فضیلت اس لیے بخشی ہے تاکہ وہ جان

سکیں کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون؟ وہ اہل نار کو چہرے کی سیاہی سے پہچان لیں گے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ کر

کہیں گے کہ اللہ ہمیں ان ظالموں میں سے نہ بنانا۔ اور اس حالت میں اہل جنت کو سلام کریں گے اور خود جنت میں

داخل نہیں ہوں گے لیکن داخلہ کی امید رکھیں گے۔

اہل اعراف کا ٹھکانہ: سورہ اعراف کی آیت ہے:

﴿أَهْوَلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ

تَحْزَنُونَ﴾

”کیا یہ وہی ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اللہ ان پر رحمت نازل نہیں کرے گا ان کو یوں حکم ہوگا

کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ، تم پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ ہی مغموم ہوں گے“ [الاعراف: ۴۹]

گویا اصحاب اعراف ان کے اعمال برابر ہوں گے، اعراف کے اندر رہ کر جنتیوں اور جہنمیوں کو ان کے چہروں سے

پہچان لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے بغیر جہنم میں ڈالے ہوئے جنت میں داخلہ دے دے گا۔

اہل اعراف کی خصوصیات: (۱) اصحاب اعراف کو اللہ تعالیٰ ایسی صلاحیت بخشے گا جس سے وہ اہل جنت اور اہل

جہنم کو ان کے قیافہ سے پہچان لیں گے۔ قرآن کی آیت ہے:

﴿وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ﴾

”جنتیوں اور جہنمیوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی اور اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے جو انہیں ان کے قیافہ سے پہچان

لیں گے (کہ یہ جنتی ہیں اور یہ جہنمی)“ [الاعراف: ۴۶]

(۲) ان کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ روزِ محشر ان کے ہاتھوں سے روشنی سلب کر لے گا۔ جیسا کہ

منافقین کے ہاتھوں سے چھین لے گا۔

(۳) چونکہ اصحاب اعراف کی نیکیاں اور برائیاں دونوں برابر ہوں گی، نہ وہ جنت کے مستحق ٹھہریں گے اور نہ ہی جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔ لہذا اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت و کرم سے جنت میں داخل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ﴾

”تم لوگ جنت میں داخل ہو جاؤ تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ ہی مغموم رہو گے“ [الاعراف: ۴۹]

(۴) اصحاب اعراف وہ لوگ ہیں جو بغیر جہنم میں داخل ہوئے سب سے آخر میں جنت میں داخل کئے جائیں گے ورنہ ایک گنہگار مومن کو جنت میں داخلہ ملنے سے پہلے اپنے گناہوں کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

میزان کو وزن دار بنانے والے اعمال: قرآن و احادیث کی روشنی میں اصحاب اعراف کے احوال کا سرسری جائزہ لینے کے بعد یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ روز قیامت فقط ایک نیکی کی کمی کی وجہ سے جنت میں داخل سے روک دیا جائے گا۔ لہذا ہمیں ایسی مشکل گھڑی اور پریشان کن حالات سے بچنے کے لیے کوشش کرنی چاہئے۔

احادیث میں ایسی بہت ساری دعاؤں اور کلمات کا تذکرہ ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے ورد کی تلقین بھی کی ہے جس کی قیمت روز قیامت بہت اعلیٰ ہوگی اور میزان میں بہت وزن دار ثابت ہوں گے۔ اس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) آپ ﷺ نے فرمایا: ”مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ“

”میزان میں بہترین اخلاق سے زیادہ وزن دار کوئی عمل نہیں ہوگا“ [ابوداؤد: ح: ۴۷۹۹، صحیح]

(۲) ایک دوسری حدیث ہے: ”كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ، حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ، سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ“ ”دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے، میزان میں وزن دار اور اللہ کو محبوب ہیں

وہ ہیں ”سبحان الله وبحمده“ اور دوسرا کلمہ ہے ”سبحان الله العظيم“ [صحیح البخاری: ۶۶۸۲]

(۳) ایک دوسری حدیث ہے: ”الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ“ ”صفائی آدھا ایمان

ہے اور کلمہ ”الحمد لله“ میزان بھر دیتا ہے“ [صحیح مسلم: ۲۲۳]

(۴) آپ ﷺ نے فرمایا: ”روز قیامت ایک شخص کے نامہ اعمال کے ۹۹ رجسٹروں کو میزان کے ایک طرف رکھا

جائے گا اور دوسری طرف ایک کارڈ رکھا جائے گا جس پر لکھا ہوگا ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ“ لہذا ۹۹ رجسٹروں والا پہلا اوپر اٹھ جائے اور چھوٹے سے کارڈ والا پلانیچے جھک جائے گا۔ اللہ کے نام

سے وزن دار کوئی چیز نہ ہوگی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: [سنن ترمذی: ۲۶۳۹، حسن]

قسط (۱)

امام ترمذی کے یہاں حسن حدیث کا تصور

ابوالحسب سید انور شاہ راشدی

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وذكرنا في هذا الكتاب حديث حسن: فإنما أردنا به حسن إسناده عندنا. كل حديث يروى:

(۱) ”لا يكون في إسناده من يتهم بالكذب. (۲) ولا يكون الحديث شاذاً

(۳) ويروى من غير وجه نحو ذلك فهو عندنا حديث حسن.

”ہر وہ حدیث: (۱) جس کی سند میں کوئی متہم بالکذب راوی نہ ہو۔ (۲) شاذ نہ ہو۔

(۳) اور وہ اس طرح ایک سے زائد طرق سے مروی ہو، تو وہ حدیث ہمارے نزدیک حسن ہے“

کچھ عرصہ قبل امام ترمذی کی درج بالا ”حدیث حسن“ کی تعریف کے حوالے سے بعض حضرات نے اس بات کا اظہار کیا کہ اس تعریف سے امام ترمذی صحت حدیث نہیں بلکہ ضعف مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ اس حوالے سے شیخ عبدالعزیز طریفی سے نقل کرتے ہوئے کہا:

”بعض لوگ امام ترمذی کے کلام ”حدیث حسن“ سے غلط معنی سمجھ لیتے ہیں کہ امام ترمذی کے اس کلام سے (متأخرین کے نزدیک) اصطلاحی حسن مراد ہے حالانکہ امام ترمذی اس عبارت سے روایت کا ضعف بیان کرتے ہیں“ امام ترمذی کی درج بالا تعریف پر محدثین کی جماعت نے کیا کہا اس سے قطع نظر ذرا اس تعریف کے مفہوم اور سیاق پر ہی غور کر لیا ہوتا تو انہیں یہ کہنے کی زحمت نہ کرنی پڑتی۔

امام موصوف نے اپنی اس تعریف میں تین باتیں کہی ہیں، انہیں پڑھ کر بتائیں کہ کیا واقعتاً امام ترمذی حدیث حسن سے ضعف مراد لیتے ہیں؟ اگر ایک لمحے کے لیے اس بات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر امام صاحب کی یہ بات سراسر مہمل اور بے فائدہ رہ جاتی ہے۔ ظاہر ہے جب کوئی حدیث متعدد طرق سے مروی ہونے کے ساتھ ساتھ نہ وہ شاذ ہے اور نہ ہی اسے بیان کرنے والے رواۃ اپنی عدالت سے محروم ہیں، ایسی حدیث اگر قوت نہیں پکڑ رہی تو پھر اتنی تعریف کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ روایت تو ویسے ہی ضعیف ہے۔ لہذا عدم شذوذ، تعدد طرق، اور وجود عدالت کی شرط سراسر فضول اور بے معنی ٹھہرتی ہے۔ حدیث کو ان تینوں باتوں کے باوجود بھی ضعیف ہی رہنا ہے تو پھر ایسی تعریف بنانے کا فائدہ ہی کیا۔

امام ترمذی نے اس تعریف میں بالکل واضح کر دیا کہ ضعف دراصل دو قسم کا ہوتا ہے:

۱۔ خفیف ۲۔ شدید

یہ تقسیم ”غیر متہم بالکذب“ کی شرط سے واضح ہے۔

اور ضعف خفیف متابعت اور شاہد سے زائل ہو جاتا ہے۔ اس لیے انہوں نے ”ویروی من غیر وجہ“ کی شرط لگائی۔ مگر یہ تب جب مد مقابل میں اس حدیث کے مخالف صحیح حدیث نہ ہو۔ اس کے لیے انہوں نے ”لایکون شاذاً“ کی شرط لگائی۔ یہ تسلسل حدیث کو تقویت دینا نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ ترتیب حدیث کو قوت پہنچانے کی طرف لے جا رہی ہے یا اسے اپنے حال یعنی ضعف پر قائم رکھ رہی ہے! کس قدر افسوس ناک امر ہے کہ ایک اظہر من الشمس بات کو کیا سے کیا بنا دیا گیا۔ ضعف خفیف تعدد طرق سے تقویت نہیں لے رہا تو پھر امام ترمذی کو عدم ضعف شدید کی شرط لگانے کی کیا ضرورت پڑی جو وہ یہ قید لگا رہے ہیں۔ کیونکہ جب اس شرط کے عدم وجود سے حدیث پر صحت و ضعف کے حوالے سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تو پھر اسے مقرر کرنا انتہائی تعجب خیز اور حیرتناک ہے۔ بھلا امام ترمذی جیسے عظیم محدث کے متعلق ایسا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے؟

بہر کیف! امام ترمذی اپنی اس تعریف میں ضعف نہیں بلکہ صحت حدیث مراد لے رہے ہیں۔ ورنہ انہیں ضعف خفیف اور ضعف شدید کی تفریق کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ جاری ہے.....

بقیہ صفحہ ۵۰..... کا

طبیعت میں سادگی، تکلفات سے اجتناب، دل کی بات کو میساختہ زبان پر لے آنا، تقریر اور خطبہ صدارت میں بہر صورت اپنی بات رکھنا اور موضوع کو نبھانا، ایسی کئی صفات ہیں جو گاہے بگاہے ملتے ہوئے بھی نظر میں آ جاتی تھیں، نزدیکی جانکار اور شاگرد حضرات دیگر پہلوؤں پر بہتر طریقہ سے روشنی ڈال سکتے ہیں، جمعیت اہل حدیث حیدرآباد و سکندرآباد کو اس کا بیڑہ اٹھانا چاہیے۔

قارئین یاد رکھیں! جانے والوں کے حق میں دعائے خیر کے ساتھ ان کی زندگی کے مثبت پہلوؤں سے روشنی حاصل کرنا ان کے حق میں صدقہ جاریہ بھی ہے اور بہترین خراج عقیدت بھی۔

رب کریم مغفرت فرمائے، بشری تقاضے سے سرزد ہونے والی کمزوری، کمی اور کوتاہی سے درگزر فرمائے، جنت الفردوس نصیب فرمائے۔ آمین

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

کیا فرض نماز کے بعد نفل نماز پڑھنے کے لیے جگہ تبدیل کرنے کے سلسلے میں کوئی صحیح مرفوع حدیث موجود نہیں ہے؟

حافظ اکبر علی اختر علی سلفی رِعفا اللہ عنہ

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبى بعده، اما بعد :

محترم قارئین! ایک بھائی نے فیس بک پر فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن مرزوق الطریفی حفظہ اللہ کا درج ذیل قول امیج کی صورت میں پوسٹ کیا:

”لا یصح فی تغیر المکان فی النافلة حدیث مرفوع“

”(فرض نماز کے بعد) نفل نماز پڑھنے کے لیے جگہ تبدیل کرنے کے سلسلے میں کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں ہے“

اس پر ایک بھائی نے کہا کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے سنن ابی داؤد وغیرہ کی روایت کو صحیح کہا ہے۔

تو پوسٹ کرنے والے بھائی نے جواباً عرض کیا کہ اُس کی سند میں فلاں فلاں راوی مجہول ہیں۔

پھر سائل نے کہا کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے کیسے صحیح قرار دیا؟

تو پوسٹ کرنے والے بھائی نے کہا:

”والله اعلم لعله قد نسی“ ”والله اعلم شاید آپ سے بھول ہو گئی ہے“

راقم عرض کرتا ہے کہ:

صاحب پوسٹ نے اگر علامہ البانی رحمہ اللہ کی صحیح ابوداؤد- الام - کی طرف رجوع کیا ہوتا تو بلاشبہ آپ یہ نہیں

کہتے کہ علامہ البانی رحمہ اللہ سے بھول ہو گئی ہے کیوں کہ وہاں آپ رحمہ اللہ نے یہ بتلایا ہے کہ میں نے اس روایت کو

کیوں صحیح قرار دیا ہے۔

نیز ”الصحيحه“ کی طرف بھی رجوع کیا ہوتا تو وہاں بھی آپ کو اس روایت کی بابت کئی باتیں ملتیں لیکن شاید

آپ نے رجوع نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

اگر شیخ عبدالعزیز الطریفی حفظہ اللہ نے مذکورہ بات کہی ہے تو صاحب پوسٹ کو چاہیے تھا کہ کم سے کم آپ حفظہ اللہ

سے پہلے جو علماء کرام گزرے ہیں، اُن کی کتب کی طرف بھی رجوع کر لیتے۔ اگر آپ رجوع کرتے تو شیخ الطریفی حفظہ

اللہ کا قول موافقت کرتے ہوئے پوسٹ نہیں کرتے۔

اگر فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن مرزوق الطریفی حفظہ اللہ نے مذکورہ بات کہی ہے تو آپ کا یہ قول بلاشبہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس تعلق سے دو (۲) مرفوع حدیثیں صحیح ہیں:

پہلی حدیث:

حضرت عمر بن عطاء بن ابی خوارمکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أَنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ، أَرْسَلَهُ إِلَى السَّائِبِ -ابْنِ أُخْتِ نَمِرٍ -يَسْأَلُهُ عَنْ شَيْءٍ رَأَاهُ مِنْهُ مُعَاوِيَةَ فِي الصَّلَاةِ، فَقَالَ: نَعَمْ، صَلَّىتُ مَعَهُ الْجُمُعَةَ فِي الْمَقْصُورَةِ، فَلَمَّا سَلَّمَ الْإِمَامُ قُمْتُ فِي مَقَامِي فَصَلَّيْتُ، فَلَمَّا دَخَلَ أَرْسَلَ إِلَيَّ، فَقَالَ: لَا تَعُدْ لِمَا فَعَلْتِ، إِذَا صَلَّىتِ الْجُمُعَةَ فَلَا تَصَلِّهَا بِصَلَاةٍ حَتَّى تَكَلَّمِ أَوْ تَخْرُجَ، فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَمَرَنَا بِذَلِكَ، أَنْ لَا تُوَصَلَ صَلَاةٌ بِصَلَاةٍ حَتَّى نَتَكَلَّمَ أَوْ نَخْرُجَ“

”نافع بن جبیر رحمہ اللہ نے انہیں نمر کے بھانجے سائب کے پاس بھیجا، ان سے اُس چیز کے بارے میں پوچھنے کے لیے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز میں دیکھی تھی۔ سائب نے کہا کہ ہاں! میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقصورہ میں جمعہ کی نماز پڑھی تھی۔ جب امام نے سلام پھیرا تو میں اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے تو مجھے بلا کر فرمایا کہ جو کام تم نے کیا ہے آئندہ ایسا مت کرنا۔ جب تم جمعہ کی نماز پڑھ لو تو اسے کسی دوسری نماز کے ساتھ نہ ملانا یہاں تک کہ تم گفتگو کر لو یا نکل جاؤ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم کسی نماز کو دوسری نماز سے نہ ملائیں جب تک کہ ہم درمیان میں گفتگو کر لیں یا نکل جائیں۔ [صحیح مسلم: ۸۸۳، و صحیح ابن خزيمة بتحقیق الاعظمی: ۱۰۱/۳، ح: ۱۷۰۵، و معرفة السنن والآثار للبيهقي بتحقیق عبد المعطی: ۴۰۹/۴، ح: ۶۶۳۷، و السنن الكبرى بتحقیق التركي: ۱۰۴/۴، ح: ۳۰۹۰، و مسند احمد بتحقیق الارنوؤط ورفقائه: ۸۰/۲۸، ح: ۱۶۸۶۶ و غیرہ]

مذکورہ حدیث کی بابت علماء کرام کے اقوال:

امام ابو بکر محمد بن اسحاق السلمی، المعروف بابن خزيمة رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۱ھ) مذکورہ حدیث پر سرخی لگاتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”بَابُ الْأَمْرِ بِالْفُضْلِ بَيْنَ الْفَرِيضَةِ وَالنَّطْوُعِ بِالْكَلَامِ أَوْ الْخُرُوجِ“ ”فرض نماز اور نفل نماز کے درمیان

کلام یا خروج کے ذریعہ فصل کرنے کا باب“ - [صحیح ابن خزيمة بتحقیق الاعظمی: ۱۰۱/۳، ح: ۱۷۰۵]

امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۵۸ھ) مذکورہ حدیث پر سرنی لگاتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”الْإِمَامُ يُنْصَرَفُ إِلَى مَنْزِلِهِ فَيَرْكَعُ فِيهِ أَوْ يَفْصِلُ بَيْنَ الْفَرِيضَةِ وَالتَّطَوُّعِ بِكَلَامٍ أَوْ غَيْرِهِ“

”امام اپنے گھر جائے گا پھر وہاں نماز ادا کرے گا یا نماز فرض یا نماز نفل میں گفتگو وغیرہ کے ذریعہ فصل کرے گا“

[معرفة السنن والآثار للبيهقي بتحقيق عبد المعطى: ۴۰۹/۴، قبل الحديث: ۶۶۳۷]

اور اپنی ایک دوسری کتاب میں رقمطراز ہیں:

”وَهَذِهِ الرَّوَايَةُ تَجْمَعُ الْجُمُعَةَ وَغَيْرَهَا حَيْثُ قَالَ: لَا تُوَصَّلُ صَلَاةُ بِصَلَاةٍ، وَتَجْمَعُ الْإِمَامَ وَالْمَامُومَ“

”یہ روایت جمعہ اور دیگر نمازوں کو بھی شامل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے کہا ہے کہ تم کسی نماز کو دوسری نماز سے نہ

ملاؤ اور یہ روایت امام اور مقتدی دونوں کو اس بات کا حکم دیتی ہے“ [السنن الكبرى بتحقيق التركي: ۱۰۵/۴، تحت

الحديث: ۳۰۹۱]

امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۷۶ھ) مذکورہ حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

”فِيهِ دَلِيلٌ لِمَا قَالَهُ أَصْحَابُنَا أَنَّ النَّافِلَةَ الرَّائِبَةَ وَغَيْرَهَا يُسْتَحَبُّ أَنْ يَتَحَوَّلَ لَهَا عَنْ مَوْضِعِ

الْفَرِيضَةِ إِلَى مَوْضِعٍ آخَرَ وَأَفْضَلُهُ التَّحَوُّلُ إِلَى بَيْتِهِ وَإِلَّا فَمَوْضِعٍ آخَرَ مِنَ الْمَسْجِدِ أَوْ غَيْرِهِ لِيُكْثِرَ

مَوَاضِعَ سُجُودِهِ وَلِتَنْفَصِلَ صُورَةُ النَّافِلَةِ عَنْ صُورَةِ الْفَرِيضَةِ“

”اس حدیث میں ہمارے اصحاب کے لیے دلیل ہے کہ سنن روایت وغیرہ کے لیے فرض نماز پڑھی ہوئی جگہ سے

ہٹ کر دوسری جگہ اختیار کرنا مستحب ہے اور جگہ بدلنے کا سب سے افضل طریقہ گھر ہے۔ ورنہ مسجد کی کسی جگہ یا اس کے

علاوہ کوئی جگہ تاکہ سجدہ کی جگہ کی کثرت ہو اور فرض نماز کی شکل سے نفل نماز کی شکل میں فرق ہو سکے“ [المنهاج شرح

صحيح مسلم بن الحجاج: ۱۷۱/۶]

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَفِي ذَلِكَ أَحَادِيثٌ صَحِيحَةٌ أَحَدُهَا فِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ مِنْ حَدِيثِ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ“

”اور اس مسئلے کے تعلق سے کئی صحیح حدیثیں ہیں، ان میں سے ایک صحیح مسلم میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے“

[سلسلة الاحاديث الصحيحة: ۵۲۴/۷، تحت الحديث: ۳۱۷۳]

اسی طرح کی بات اور بھی کئی علماء کرام نے کہی ہے۔ دیکھیں: [سنن ابی داؤد بتحقيق الارنوؤط ورفقائه: ۲۴۷/۲،

تحت الحديث: ۱۰۰۷، و سلسلة الآثار الصحيحة لابی عبد الله الداني، ح: ۴۵۰]

دوسری حدیث:

ایک صحابی رسول ﷺ فرماتے ہیں:

”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَلَّى الْعَصْرَ فَقَامَ رَجُلٌ يُصَلِّي (بَعْدَهَا)، فَرَأَهُ عُمَرُ (فَأَخَذَ عُمَرُ بِنِ الْخَطَّابِ بِرِدَائِهِ - أَوْ بَثْوِيهِ -) فَقَالَ لَهُ: اجْلِسْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ أَهْلُ الْكِتَابِ (قَبْلَكُمْ) أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِصَلَاتِهِمْ فَضْلٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ: أَحْسَنَ (صَدَقَ) ابْنُ الْخَطَّابِ“

”رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی پھر اس کے بعد فوراً ایک آدمی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو گیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا (پس عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اُس کی چادر یا کپڑے کو پکڑا) پھر اُس سے کہا کہ بیٹھ جاؤ کیونکہ تم سے پہلے اہل کتاب ہلاک ہو گئے کیونکہ اُن لوگوں نے اپنی فرض اور نفل نمازوں میں فصل نہیں کیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اچھا کیا یا ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سچ کہا“۔ [مسند احمد بتحقیق الارنوؤط ورفقائہ: ۲۰۲/۳۸، ح: ۲۳۱۲۱، و مسند ابی یعلیٰ بتحقیق الدارانی: ۱۰۷/۱۳، ح: ۷۱۶۶ و مصنف عبد الرزاق بتحقیق الاعظمی: ۴۳۱/۱۲، ح: ۳۹۷۳، الزیادة کلہا له و صحح سندہ الالبانی فی الصحیحۃ: ۵۲۲/۷، ح: ۳۱۷۳، و معرفة الصحابة لابی نعیم بتحقیق عادل بن یوسف العزازی: ۲۸۹۲/۵، ح: ۶۷۹۳]

مذکورہ حدیث محققین کی نظر میں:

علامہ البانی رحمہ اللہ مسند احمد کی سند کی بابت فرماتے ہیں:

”وهذا إسناد صحيح على شرط مسلم، وجهالة الصحابي لا تضر“
”یہ صحیح سند ہے، مسلم کی شرط پر ہے اور صحابی کی جہالت مضرت نہیں ہے“

[صحيح ابی داؤد - الام: ۱۶۳/۴، تحت الحدیث: ۹۲۲]

نیز دیکھیں: [سلسلة الاحادیث الصحیحۃ: ۱۰۵/۶، ح: ۲۵۴۹، وقال فيه: وهذا إسناد صحيح رجاله ثقات رجال

[البخاری]

اور مسند ابی یعلیٰ والی سند کی بابت فرماتے ہیں:

”وهذا إسناد صحيح رجاله كلهم ثقات على شرط مسلم غير الصحابي الذي لم يسم و ذلك لا يضر لان الصحابة كلهم عدول“

”یہ صحیح سند مسلم کی شرط پر ہے۔ اس کے تمام رجال ثقہ ہیں سوائے صحابی کے جن کا نام نہیں لیا گیا ہے اور یہ مضرت نہیں

ہے کیونکہ تمام صحابہ عادل ہیں“ [سلسلة الاحادیث الصحیحۃ: ۵۲۲/۷، تحت الحدیث: ۳۱۷۳]

مسند احمد کے محققین فرماتے ہیں:

”إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الصحيح غير صحابيہ“

”اس کی سند صحیح ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں اور صحیح کے رجال ہیں سوائے صحابی رسول ﷺ کے“ [مسند احمد

بتحقیق الارنوؤط ورفقائہ: ۲۰۲/۳۸، ح: ۲۳۱۲۱]

شیخ حسین سلیم اسدالدارانی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

”إسناده صحيح، و جهالة الصحابي لا تضر فكلهم عدول“

”اس کی سند صحیح ہے، اور صحابی رسول کی جہالت مضر نہیں ہے کیونکہ وہ سب کے سب عادل ہیں“ [مسند ابی یعلیٰ

بتحقیق الدارانی: ۱۰۷/۱۳، ح: ۷۱۶۶]

مذکورہ حدیث کی بابت علماء کرام کے اقوال:

امام ابوالحسن علی بن ابوبکر البیہقی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۰۷ھ) مذکورہ حدیث پر سرخی لگاتے ہوئے رقمطراز ہیں:

بَابُ الْفَصْلِ بَيْنَ الْفَرَضِ وَالتَّطَوُّعِ فَرَضٍ أَوْ نَفْلٍ نَمَازِ كَرِيمَانَ فَصْلٌ كَابَابٍ - [مجمع الزوائد ومنبع الفوائد

بتحقیق حسام الدین القدسی: ۲۳۴/۲، ح: ۳۳۹۸]

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”والحدیث نص صریح فی تحریم المبادرة إلى صلاة السنة بعد الفريضة دون تكلم او

خروج، كما يفعله كثير من الاعاجم وبخاصة منهم الاتراك، فإننا نراهم في الحرمين الشريفين

لا يكاد الإمام يسلم من الفريضة إلا بادر هولاء من هنا وهناك قياما إلى السنة“ ”یہ حدیث اس

بات میں نص صریح ہے کہ بغیر گفتگو اور خروج کے فرض نماز کے معاً بعد نفل نماز پڑھنا حرام ہے جیسا کہ اکثر و بیشتر عجمی

لوگ کرتے ہیں، اُن میں بطور خاص ترکی لوگ۔ ہم حرمین شریفین میں دیکھتے ہیں کہ امام جیسے ہی فرض نماز سے سلام

پھیرتا ہے تو ترکی لوگ یہاں وہاں سے کھڑے ہو کر سنت پڑھنے لگتے ہیں“ [سلسلة الاحاديث الصحيحة: ۱۰۵/۶،

ح: ۲۵۴۹]

اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

”انه لا بد من الفصل بين الفريضة والنافلة التي بعدها إما بالكلام او بالتحول من المكان“

”فرض اور نفل نماز کے درمیان جو فرض نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے، فصل کرنا ضروری ہے چاہے وہ گفتگو کے ذریعہ

ہو یا جگہ بدل کر کے ہو“ [سلسلة الاحاديث الصحيحة: ۵۲۴/۷، تحت الحدیث: ۳۱۷۳]

اب چند باتیں بطور فائدہ پیش خدمت ہیں:

(فائدہ نمبر: ۱) صاحبِ پوسٹ نے جو یہ کہا کہ سنن ابی داؤد کی سند ضعیف ہے۔

تو اس کی بابت عرض ہے کہ بلاشبہ سنن ابی داؤد کی سند ضعیف ہے جیسا کہ علامہ البانی اور شیخ شعیب اور ان کی ٹیم نے کہا ہے لیکن اس تحریر میں جو دو حدیثیں پیش کی گئی ہیں، وہ اس کی شاہد ہیں جس سے اسے تقویت ملتی ہے جیسا کہ علامہ البانی اور دیگر علماء کرام نے بیان کیا ہے۔ دیکھیں: [صحیح ابی داؤد - الام، - ج: ۴، ص: ۱۶۱-۱۶۳، و سنن ابی داؤد بتحقیق الارنوؤط ورفقائہ: ۲/۴۷ وغیرہ]

(فائدہ نمبر: ۲) امام ابوالفداء اسماعیل بن عمر الدمشقی، المعروف بابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی ۷۷۴ھ) رقمطراز ہیں:

قال الحافظ ابو بکر الإسماعیلی: ثنا يحيى بن محمد الحنائي، ثنا شيبان، ثنا حماد بن سلمة، عن الازرق بن قيس، عن عبد الله بن الحارث: ان ابا بكر وعمر -رضى الله عنهما - كانا إذا دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلاة باذرا، ايهما يكون حياله، فصلّى ذات يوم، فلما فرغ قام رجل يُصلّى ركعتين بعد العصر، فقام إليه عمر -رضى الله عنه-، فاخذ بمنكبه، وقال: إنما هلك بنو إسرائيل انه لم يكن لصلاتهم فصل، النبي صلى الله عليه وسلم وقال: صدق عمر. [مسند الفاروق بتحقيق إمام بن علي: ۲/۶۵۱، ح: ۱۳۴ و اسنادہ صحیح]

مذکورہ متن کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس میں ہے کہ عصر کی نماز میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی حاضر تھے اور سنن ابی داؤد کی روایت میں بھی یہی بات ہے لہذا مذکورہ روایت سے بھی سنن ابی داؤد کی روایت کو تقویت ملتی ہے۔ والحمد للہ علی ذلک۔

(فائدہ نمبر: ۳) علامہ البانی رحمہ اللہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ والی حدیث سے ایک اور مسئلہ ثابت کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:

”والفائدة الاخرى: جواز التطوع بعد صلاة العصر لإقرار النبي صلى الله عليه وسلم“

دوسرا فائدہ: نبی کریم ﷺ کے اقرار کی وجہ سے عصر کے بعد نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔ [الصحيحه: ۵۲۴/۷، تحت

الحديث: ۳۱۷۳]

پھر مفصل اور احسن انداز میں اس مسئلے پر گفتگو کی ہے جیسا کہ حوالہ مذکورہ میں دیکھ سکتے ہیں۔

اب چند باتیں بطور تنبیہ پیش خدمت ہیں:

(تنبیہ نمبر: ۱) علامہ البانی رحمہ اللہ نے مسند احمد کی سند کو مسلم کی شرح پر قرار دیا ہے جیسا کہ گزشتہ سطور میں بحوالہ

گزر چکا ہے۔

راقم کہتا ہے کہ مسند احمد کی سند امام مسلم کی شرط پر نہیں ہے کیونکہ ازرق بن قیس البصری سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت نہیں لی ہے۔

امام ابوالحسن علی البیہقی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۰۷ھ) مسند احمد کی سند کی بابت فرماتے ہیں:

”رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو يَعْلَى، وَرَجَالَ أَحْمَدَ رَجَالَ الصَّحِيحِ“

”اس حدیث کو امام احمد اور امام ابو یعلیٰ رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اور مسند احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں“

[مجمع الزوائد ومنبع الفوائد بتحقیق حسام الدین القدسی: ۲۳۴/۲، ح: ۳۳۹۸]

اور یہی بات مسند احمد کے محققین نے بھی کہی ہے جیسا کہ بحوالہ گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ نے مسند احمد کی سند کے راویوں کی بابت ایک دوسری جگہ کہا کہ اس کے رجال ثقہ ہیں اور بخاری کے رجال ہیں۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔

راقم کہتا ہے کہ مسند احمد کے تمام رجال ثقہ تو ہیں لیکن صحیح بخاری کے رجال نہیں ہیں کیونکہ عبد اللہ بن رباح الانصاری رحمہ اللہ صحیح مسلم کے راوی ہیں، صحیح بخاری کے راوی نہیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

اس پر مزید یہ کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے مسند ابی یعلیٰ والی سند کو مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے جیسا کہ گزشتہ سطور میں بحوالہ گزر چکا ہے۔

راقم کہتا ہے کہ مسند ابی یعلیٰ والی سند مسلم کی شرط پر نہیں ہے کیونکہ ازرق بن قیس البصری سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت نہیں لی ہے۔

(تنبیہ نمبر: ۲) امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے مسند الفاروق میں جو مسند امام ابوبکر الاسماعیلی رحمہ اللہ کی کسی کتاب سے پیش کی ہے، اُس میں ایک غلطی ہے اور وہ یہ ہے کہ سند میں اسود بن قیس لکھا ہوا ہے جبکہ صحیح ازرق بن قیس ہے جیسا کہ کتب رجال کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

خلاصۃ التحقیق:

اگر فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز الطریفی حفظہ اللہ نے زیر بحث جملہ کہا ہے تو آپ کا یہ قول بلاشبہ صحیح نہیں ہے کیونکہ فرض نماز کے بعد نفل نماز پڑھنے کے لیے جگہ تبدیل کرنے کے سلسلے میں دو (۲) مرفوع حدیثیں صحیح ہیں۔ واللہ اعلم۔

ذک۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اخوت و بھائی چارگی کا اسلامی تصور

ممتاز احمد سلفی (گلبرگہ)

اسلامی تعلیمات کا مطالعہ اور غور و فکر کرنے سے اخوت کی بنیادی طور پر چار قسمیں معلوم ہوتی ہیں، انہی چار اقسام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اخوت اور بھائی چارگی سے متعلق کچھ تفصیلات ذیل کے سطور میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اخوت کی کل چار قسمیں :

۱۔ جنسی اخوت: اس قسم میں دو لوگوں کا محض ہم جنس ہونا ضروری ہے۔ مثلاً ایک شخص جنس انسان ہے تو دوسرا بھی اسی جنس کا ہو، صرف جنسیت کے ایک ہونے کی بنیاد پر یہ اخوت ثابت ہوتی ہے، یہ وہ اخوت ہے جس کی بنا پر بلا تفریق مذہب و ملت تمام انسانیت کو ایک زمرے میں شامل کیا جاسکتا ہے، اخوت کی اس قسم کو ہماری شریعت بھی تسلیم کرتی ہے کیونکہ شریعت میں اس سلسلے میں کچھ دلائل ملتے ہیں جن سے اس تقسیم کی درستی واضح ہوتی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے قرآن میں پوری انسانیت کو آدم اور حوا علیہما السلام سے جوڑتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾

ترجمہ: ”اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو۔ کنبے قبیلے بنا دیئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے، یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے“ [الحجرات: ۱۳]

اور جیسا کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”کلکم بنو آدم و آدم خلق من تراب لیتھین قوم یفتخرون بآبائهم أو لیكونن أھون علی اللہ من الجعلان“
 ”تمام لوگ آدم کی اولاد سے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے.....“ [قال الشيخ الألبانی: (صحيح) انظر

حدیث رقم: ۴۵۶۸، فی صحیح الجامع]

نقلی دلائل کے علاوہ عقلی حقائق اور تجربات و مشاہدات سے اخوت کی اس تقسیم کی تائید ہوتی ہے جس کی ایک عمدہ مثال ہے کہ کسی جگہ ناگہانی حادثہ کی زد میں انسان اور جانور دونوں آجائیں اور جائے حادثہ سے قریب موجود کسی انسان کی نگاہ ان دونوں پر پڑے تو ایسی صورت میں محض انسانی اخوت کی بنیاد پر دیکھنے والے انسان کی جنسی اخوت

حادثہ سے دوچار انسان کی مدد پر مجبور کرتی ہے جبکہ اسی جگہ ایک حیوان بھی حادثہ سے دوچار ہوا ہے مگر انسان کی توجہ پہلے اپنے ہم جنس انسان کی حفاظت کی تگ و دو میں رہتی ہے اور حیوان کی حفاظت کی فکر دوسرے نمبر پر ہوتی ہے، یہی وہ رشتہ ہے جو محض انسانیت کی بنیاد پر ایک انسان میں دوسرے انسان کے متعلق موجود ہوتا ہے اور اسی رشتے سے منسلک ہونے کی وجہ سے بے شمار انسانی ہمدردیوں کے واقعات دیکھنے اور سننے کو ملتے ہیں۔

۲۔ نسبی اخوت: یہ وہ رشتہ اخوت ہے جس کے لیے ہم خاندان و ہم قبیلہ ہونا ضروری ہے، اس اخوت میں دین کی ہم آہنگی کا امکان ہونے کے ساتھ دینی اختلاف کا بھی امکان موجود رہتا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ النساء میں وراثت کے باب میں تفصیلی بحث موجود ہے، اسی طرح شریعت اور عرف عام میں اس سلسلے کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جن سے ہم اور آپ واقف ہیں، نسبی اخوت کے سلسلے میں واقعاتی حقائق آئے دن دیکھنے اور سننے کو ملتے ہیں مثلاً جب کسی انسان کے حقیقی اور نسبی بھائی سے کسی شخص کا اختلاف ہوتا ہے تو نسبی اور خاندانی اخوت کی بنیاد پر انسان اپنے نسبی بھائی ہی کا ساتھ دیتے نظر آتا ہے جو صرف نسبی اخوت ہی کی بنیاد پر انسان انجام دیتا ہے۔

۳۔ علاقائی اخوت: اس کا مطلب ہے کہ علاقے اور بستی کا اتفاق ہو مثلاً ایک شخص کسی علاقے سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا بھی اسی علاقے کا رہنے والا ہے، اس مناسبت سے دونوں کے درمیان جو اخوت ہے وہ علاقائی اخوت ہے اس میں بھی دین کے اختلاف کا امکان رہتا ہے۔ اس اخوت کا تذکرہ خود قرآن مجید میں متعدد مقامات پہ ملتا ہے۔ مثلاً: ﴿وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾ [اعراف: ۸۵] وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا [اعراف: ۶۵] وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا [اعراف: ۷۳] وغیرہ

خارج میں فطری طور پر علاقائی اخوت کے بھی مظاہر دیکھنے کو ملتے ہیں بالخصوص آدمی جب دیار غیر میں ہوتا ہے تو اپنے ملک اور اپنے علاقے کے افراد سے مل کر فطرتاً علاقائی اخوت کا اظہار کرتے ہوئے ایک دوسرے سے الفت و محبت کے جذبات کو پیش کرتا نظر آتا ہے۔

۴۔ دینی اخوت: دین کی بنیاد پر قائم ہونے والی اخوت کو دینی اخوت سے تعبیر کرتے ہیں یعنی کہ طرفین سے دین میں ہم آہنگی ہو۔ اسلامی تناظر میں یہاں دین سے ہم آہنگی سے مراد دونوں کا دین اسلام ہو، اور اگر یہ دینی اتفاق ہو تو یہ اخوت تمام اخوتوں میں سب سے مضبوط رشتہ کو استوار کرنے کی تاکید کرتا ہے، اس رشتے کی مضبوطی اور حفاظت کی خاطر اسلام نے بے شمار احکامات بیان کیے، چنانچہ ذیل میں چند ایک کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔

اخوت دینی کی مضبوطی اور حفاظت کے لیے چند اسلامی احکامات:

(۱) اللہ رب العزت نے قرآن میں ارشاد فرمایا: انما المؤمنون اخوة (یا درکھو) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ [الحجرات: ۱۰] مذکورہ آیت کا مفہوم بالکل واضح طور پر ثابت کرتا ہے کہ تمام اہل ایمان و اسلام آپس میں اخوت کے رشتے سے منسلک ہیں۔

(۲) اس رشتے کی مضبوطی کو زمانی مسافت سے بے نیاز کرتے ہوئے اسلام نے حکم دیا کہ بعد میں آنے والا مسلمان اپنے تمام گزرے ہوئے مسلم بھائیوں کو دعائے استغفار میں یاد رکھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾

اور (ان کے لیے) جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان والوں کے لیے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بے شک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔ [الحشر: ۱۰]

(۳) اسلامی رشتہ اخوت کی اہمیت اور قدر و منزلت کے پیش نظر نبی ﷺ نے ایک دوسرے کے آپسی حقوق بیان کیے اور اس حوالے سے بے شمار روایات کتب احادیث میں ملتی ہیں جن میں سے کچھ کا تذکرہ ذیل کے سطور میں ہدیہ قارئین ہے۔

(۱) عن ابن عمر أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً، فَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبَاتٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

ترجمہ: "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اس پر خود ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے، اور جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے، اور جو اپنے کسی مسلمان بھائی کی پریشانی دور کرتا ہے اللہ اس کی وجہ سے اس سے قیامت کی پریشانیوں میں سے کوئی پریشانی دور کرے گا، اور جو کسی مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالے گا اللہ قیامت کے دن اس کے عیب پر پردہ ڈالے گا" [بخاری: ۲۴۴۲]

(۲) اسی رشتے کی پاسداری کی تاکید کرتے ہوئے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَحْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ التَّقْوَى هَاهُنَا وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ بِحَسْبِ أَمْرٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى

الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعَرَضُهُ“

”آپس میں حسد نہ کرو، ایک دوسرے کے لیے دھوکے سے قیمتیں نہ بڑھاؤ، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے منہ نہ پھيرو، ایک دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرو اور اللہ کے بندے بن جاؤ جو آپس میں بھائی بھائی ہیں، مسلمان (دوسرے) مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ اس کی تحقیر کرتا ہے، تقویٰ یہاں ہے۔ اور آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف تین مرتبہ اشارہ کیا (پھر فرمایا) کسی آدمی کے برا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے، ہر مسلمان پر (دوسرے) مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے“ [مسلم: ۲۵۶۴]

(۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ“

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان بچے رہیں اور مہاجر وہ ہے جو ان کاموں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے“ [بخاری: ۱۰]

(۴) عَنِ الْأَخْنَفِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ: ”ذَهَبْتُ لِأَنْصُرَ هَذَا الرَّجُلَ، فَلَقَيْتَنِي أَبُو بَكْرَةَ فَقَالَ أَيْنَ تَرِيدُ؟ قُلْتُ: أَنْصُرُ هَذَا الرَّجُلَ، قَالَ: ارْجِعْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِذَا التَّقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ، فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ قَالَ: إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ“

اخنف بن قیس کہتے ہیں: ”کہ میں اس آدمی (علی بن ابی طالب) کی مدد کرنے چلا، راستے میں مجھ کو ابوبکر ملے، پوچھا: کہاں جاتے ہو؟ میں نے کہا اس شخص (علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کرنے جاتا ہوں، ابوبکر نے کہا: اپنے گھر لوٹ جاؤ، میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرماتے تھے: جب دو مسلمان آپس میں اپنی اپنی تلواریں لے کر بھڑ جائیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ قاتل تو خیر (ضرور دوزخی ہونا چاہیے)۔ لیکن مقتول کیوں دوزخی ہوگا؟ فرمایا: وہ بھی اپنے ساتھی کو مار ڈالنے کا لالچ رکھتا تھا (موقع پاتا تو اسے ضرور قتل کر دیتا)“ [بخاری: ۳۱]

(۵) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ“

رسول ﷺ نے فرمایا: ”مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے“ [بخاری: ۴۸]

(۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلَامِ، وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ، وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازے کے ساتھ چلنا، دعوت قبول کرنا، اور چھینک آنے پر جواب دینا (چھینکنے والا جب ”الحمد للہ“ کہے تو اس کے جواب میں ”یرحمک اللہ“ کہنا“ [بخاری: ۱۲۴۰]

اس طرح بے شمار احادیث ہیں جن میں اس رشتہ کی مضبوطی سے متعلق اصول بتائے گئے تاکہ ایک طرف لوگوں کو اس رشتہ کی اہمیت معلوم ہو اور دوسری طرف اس میں مضبوطی لانے کے لیے بیان کردہ اصول پر عمل پیرا ہو کر دینی اخوت کو مستحکم بنانے کی کوشش کی جائے۔

کیا غیر مسلم کو بھائی بول سکتے ہیں؟

اس مسئلے میں کسی نتیجے تک پہنچنے میں اوپر دی گئی تفصیلات سے مسئلہ کسی قدر واضح ہو چکا ہے مگر غیر مسلم کو بھائی کہنے سے متعلق تفصیلات پر نظر ڈالنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس مسئلے میں علماء کی مختلف آراء ہیں جن میں کچھ علماء انتہائی شدت سے غیر مسلم کو بھائی کہنے کی مخالفت کرتے ہیں، انہی علماء میں مفتی اعظم علامہ ابن باز رحمہ اللہ بھی ہیں اور انہی کے فتویٰ کو بنیاد بنا کر کئی عرب علماء کی یہی رائے ہے، چنانچہ فتاویٰ اسلامیہ میں سعودی لجنہ دائمہ کے جو فتاویٰ یکجا کیے گئے ہیں انہی میں علامہ ابن باز کا یہ فتویٰ مذکور ہے اور شیخ رحمہ اللہ نے اپنے اس موقف پر کئی دلائل پیش فرمائے ہیں۔ مثلاً:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَاءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدُّهُ﴾ [ممتحنہ: ۴] وقال سبحانه: ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ﴾ [مجادلہ: ۲۲]

بلکہ علامہ ابن باز رحمہ اللہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ انسانی اخوت کا تصور ان کے حوالے سے کرنا یہ شیطانی وسوسے کی پیداوار ہے اور یہ کسی بھی صورت درست نہیں ہے کیونکہ حقیقی اخوت ایمانی اخوت ہے اور اگر دین میں اختلاف موجود ہے تو اس اخوت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور علامہ رحمہ اللہ نے اپنے اس قول کی تائید میں قرآن کی یہ

آیت پیش فرمائی ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کی بابت ہے: ﴿رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ﴾ [ہود: ۴۵] قال ﴿إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ﴾ [ہود: ۶۷] اور اس سلسلے کی دوسری آیت پیش فرماتے ہیں جو کہ اس حوالے سے عموماً پیش کی جاتی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْفُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمُودَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ﴾ [ممتحنہ: ۱]

جبکہ دوسری طرف قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں غیر مسلمین اور کفار کو ”اخ“، یعنی بھائی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً شعیب، ہود اور صالح کی قوم کو ان کا بھائی تعبیر کیا گیا ہے اور مزید یہ کہ نبی ﷺ کے زمانے میں بھی انہیں بھائی کہنے کا رواج معلوم ہوتا ہے مثلاً بخاری کی یہ روایت ہے جسے امام بخاری نے مختلف مقام پر پیش کیا بلکہ ایک جگہ تو اسی روایت کو اسی سے متعلق باب قائم کر کے اس کے ذیل میں ذکر فرمائے ہیں باب ہے ”باب صلة الاخ المشرك“

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: ”رَأَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ حُلَّةَ سَيْرَاءَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَوْ اشْتَرَيْتَهَا، فَلَبِستَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلِلْوَفْدِ، قَالَ: إِنَّمَا يَلْبَسُهَا مَنْ لَا خَلْقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ، ثُمَّ جَاءَتْ حُلَّةٌ، فَأَعْطَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرَ مِنْهَا حُلَّةً، وَقَالَ: أَكْسَوْتِنِيهَا، وَقُلْتُ فِي حُلَّةِ عَطَارِدٍ مَا قُلْتُ؟ فَقَالَ: إِنِّي لَمْ أَكْسِكْهَا لِتَلْبَسَهَا، فَكَسَاهَا عُمَرُ أَخًا لَهُ بِمَكَّةَ مُشْرِكًا“ [بخاری: ۲۶۱۲]

اس روایت سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ غیر مسلمین کو بھائی کہنے کا معاملہ ویسا نہیں ہے جس قدر بعض علماء نے شدت برتتے ہوئے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے بلکہ اس سلسلے میں معقول اور راجح بات جو معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ غیر مسلمین کو بھائی کہنا جائز ہے جیسا کہ مختلف دلائل سے ثابت ہے، بالخصوص ہندوستانی ماحول میں اس شوشہ کو زیادہ بڑھا کر لوگوں میں دوری پیدا کرنے سے بچنا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے البتہ اس سلسلے میں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ”الولاء والبراء“ کے اسلام نے جو اصول مقرر کیے ہیں انہیں ملحوظ رکھا جائے اور مسلم اور غیر مسلم میں فرق کا انکار کرنے سے بچا جائے، دل میں مسلمانوں سے محبت اور غیر مسلم سے برأت کا جذبہ موجود ہونا چاہیے۔ اب رہا علامہ ابن باز اور دیگر علماء سعودیہ کے اس فتویٰ کا مسئلہ جس میں انہوں نے انکار کیا ہے تو اس سلسلے میں بعض علماء ربانین سے گفتگو کرنے سے معلوم ہوا کہ ان علماء کے یہ فتاویٰ وقتی اور محلی کے قبیل سے ہیں چونکہ اس وقت سعودیہ میں ان غیر مسلمین سے تعلقات میں کافی وسعت والی صورت حال دکھ رہی تھی اور اس پر نکیر کرنے کی خاطر اہل علم نے اس طرح کے فتاویٰ صادر فرمائے۔ واللہ اعلم

جاتے جاتے بہت کچھ لے جاتے ہیں، لے جاتے ہیں

حافظ عبدالحمید عمری مدنی

شیخ صفی احمد سلفی مدنی (اکتوبر ۱۹۵۲ء - ۲۵ جنوری ۲۰۲۱ء) بھی چل بسے۔ امت کے گلے کے ہار کا ایک اور منکا ٹوٹ گیا۔

”اللہم اجرنا فی مصیبتنا و اٰخلف لنا خیرا منہ“

آپ کی زندگی کی صبح و شام حرکت و عمل سے معمور عوامی زندگی جینے والے ایک معتبر عالم دین کی سوانح حیات سے عبارت تھی۔

وہ شخصیات بڑی عظیم ہوتی ہیں جن کی کتاب حیات کے ہر ورق پر سیکھنے والوں کے لیے ایک نیا سبق ملتا ہو۔

تاریخ دراصل ایسی ہی نابغہ روزگار شخصیات سے بنتی ہے اور ایسے ہی لوگوں کو تاریخ ساز شخصیات کہا جاتا ہے۔

شیخ صفی احمد صاحب کی زندگی سے ملنے والے چند اسباق آپ قارئین کی نذر ہیں:

۱۔ آپ نے مسجد محبوبیہ چنچل گوڈہ حیدرآباد میں پینتیس (۳۵) سال تک بلا معاوضہ امامت و خطابت کی خدمت انجام دی ہے ساتھ ہی مختلف کتابوں کے مفصل اور مسلسل دروس بھی دیئے ہیں۔ یہ دونوں پہلو بڑے اہم اور مثالی ہیں ایک تو یہ کہ ایک ہی مسجد کو اپنی خدمات کا مرکز بنایا اور دوسرا یہ کہ اپنے دیگر ذرائع آمدنی پر اکتفاء کرتے ہوئے مسجد کی خدمات کے عوض کچھ نہ لیا۔

۲۔ آپ کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع رہا، جمعیت اہل حدیث کی صوبائی سطح پر مختلف میعادوں میں مختلف و متعدد اور متنوع ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانا اور نبھانا، خطبات جمعہ، افتاء، مدارس میں تدریس، ہفتہ واری و یومیہ دروس، ترجمہ کے باب سے تصنیف و تالیف کے میدان میں خدمات، مدرسہ کی تاسیس، مجلہ کا اجراء، قومی و ملی پلیٹ فارم پر فعال کردار اور ساتھ ہی جماعتی نمائندگی، پولیس محکمہ کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے منحرف افکار کے حامل بعض نوجوانوں سے مناقشہ، ان کو سمجھانا اور ان پر فکری گمراہی کو آشکارا کرنا، قادیانیت کے فتنہ کے شکار بعض افراد کو سمجھانا اور ان سے توبہ کرانے میں کامیابی حاصل کر لے جانا۔ اور ان سب سے بڑھ کر حیدرآباد جیسے تہذیبی مرکز میں علمی و منہجی مسائل میں ایک مرجع کی حیثیت سے زندگی گزارنا۔

شاید اسی کو بھرپور زندگی جینا کہتے ہیں۔

۳۔ آپ جوانی کے مراحل ہی میں شوگر جیسے موذی مرض کے شکار ہو گئے تھے۔ یہ مرض انسان کو رفتہ رفتہ کھوکھلا اور اس کے قویٰ کو مضمحل کر دیتا ہے تاہم صنفی احمد صاحب اس بیماری کو اپنا عذر سمجھ کر کبھی بیٹھے نہیں رہ گئے۔ آپ نے اسی حالت میں حیات بے ثبات کی چھیا سٹھ بہاریں دیکھیں مگر آخری ایام بلکہ آخری دن تک مصروف عمل رہے، آخری دنوں میں آپ کی بیماری کے شدت اختیار کر جانے کی خبریں بھی تسلسل سے آرہی تھیں، بالآخر ۲۵ جنوری ۲۰۲۱ء کی صبح انتقال ہو گیا، تاہم ۲۴ جنوری کی شام بھی آپ نے مسجد محبوبیہ میں ایک اجلاس کی صدارت کی، اور اس سے عین ایک دن قبل ۲۳ جنوری کو بھی حیدرآباد کے علماء کے ایک خصوصی پروگرام میں شریک رہے۔

زندگی کی اس سچائی کو احسن طریقے سے اجاگر کیا کہ:

چلتے ہی رہو چلنا انساں کا مقدر ہے ٹھہرو گے تو پاؤں میں زنجیر جنم لے گی
۴۔ مصلحت کوشوں کی بھیڑ اور مفاد پرستی کے جنگل میں آپ ایک حق شناس و حق گو انسان تھے، سلفیت کے حوالے سے ہو کہ کسی علمی مسئلہ کے حوالے سے، نڈر اور بے باک رویہ آپ کی خاص پہچان تھا جو ایک طرف آپ کی خود اعتمادی کا ثبوت تھا تو دوسری طرف اپنی کہی بات یا پیغام کے برحق ہونے کے یقین کو ظاہر کرتا تھا۔ اس حوالہ سے آپ ”ولایخافون لومة لائم“ کی عملی تفسیر و تصویر تھے۔

۵۔ شیخ صنفی احمد سلفی مدنی صاحب ایک جلیل القدر عالم دین تھے، باصلاحیت لوگوں کی ایک عادت۔ یا کمزوری کہہ لیں۔ یہ بھی ہوتی ہے کہ بہت جلد کوئی ان کی نظر میں چچا نہیں ہے اور وہ حرفِ اعتراف زبان پر نہیں لاتے۔ اور اکثر اسی وجہ سے دنیا انہیں متکبر انسان بھی سمجھ پٹھتی ہے تاہم جب حقیقی معنوں میں ان کے سامنے کوئی قد آور آتا ہے تو وہ اس کا اعتراف کرنے میں جھجکتے بھی نہیں ہیں۔

شیخ صنفی کے یہ دونوں رنگ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں، اچھے اچھوں کو خاطر میں نہ لاتے بھی دیکھا ہے وہیں ایک قدر شناس جوہری کی طرح صلاحیتوں کی قدر دانی کرتے ہوئے بھی۔

۶۔ ایک خاص وصف اور خوبی یہ دیکھی کہ جمعیت کے عہدوں سے فارغ ہو جانے کے بعد بھی آپ کی سرگرمیاں جاری رہیں، عام طور پر عہدوں سے ہٹنے کے بعد لوگ یا تو خود کو سبکدوش سمجھ لیتے ہیں یا احساس برتری میں اپنی ساری توانائی اپنے بعد والوں کی نااہلی ثابت کرنے میں لگا دیتے ہیں، شیخ صنفی نے ان دونوں باتوں سے حتی المقدور دامن بچا کر اپنا رخ صحیح سمت پر رکھا، مثبت طرز فکر کے ساتھ ساری زندگی ملی خدمات اور جماعتی نمائندگی میں صرف کردی۔

بقیہ صفحہ ۳۵..... پر

معتبر دینی صحافت کا ایک معتبر نام

ماہنامہ اہل السنۃ

اہل السنۃ
Ahlus Sunnah
بیع الكتاب والسنة بالہم سلف الامة

- ✽ فہم سلف کی روشنی میں کتاب و سنت کی دعوت
- ✽ عقلمندی و منہجی مسائل میں مسلک سلف صحابہ و تابعین کا احیاء و ترویج
- ✽ سماج میں پھیلے شرک و بدعات اور بد عقیدگیوں پر ایک کاری ضرب
- ✽ اختلافی مسائل پر مدلل تجزیات
- ✽ علوم الحدیث پر معیاری مضامین
- ✽ صحیح احادیث کی اشاعت اور ضعیف احادیث کی نشاندہی
- ✽ شریعت کے جملہ علوم و فنون کے اصول و ضوابط پر تحقیقی مقالات
- ✽ تزکیہ نفس اور اصلاح قلب کو ہمیز دینے والی تحریریں
- ✽ موجودہ مسائل و حالات پر شرعی و فکری تجزیات

مجلہ اہل السنۃ مختلف مساجد، مدارس، جامعات، لائبریریوں اور بعض حضرات کو ماہانہ مفت ارسال کیا جاتا ہے، اس سلسلے میں آپ سے تعاون کی درخواست ہے۔

اہل السنۃ کا
تعاون کریں

Special Help 5000/- خصوصی تعاون

Yearly Help 3000/- سالانہ تعاون

Monthly Help 300/- ماہانہ تعاون

DONATE TO



Bank Name : ICICI Bank (Current Account)
Account Name : Ahl Us Sunnah
Account Number : 102805001781
IFSC Code : ICIC0001028
Branch : Andheri Link Road Branch

Call for donation : 8291063785 / 8657458182

اسلامک انفارمیشن سینٹر کا انفرادی دعوتی شعبہ

کرلا، اندھیری، ساکی ناکہ سینٹر پر علماء کے
روبرو بیٹھ کر اپنے دینی سوالوں کے جواب پائیں۔

اسلامک انفارمیشن سینٹر
کا دعوتی ڈیسک



واٹس ایپ
اسلام ہیلپ لائن

808080 1882

مذکورہ نمبر پر اسلام کے متعلق کوئی بھی سوال
پوچھیں اور دلیل کے ساتھ جواب حاصل کریں۔

وراثت، نکاح، طلاق، ودیگر اہم تحریری سوالوں کے
جواب تحریری شکل میں سینٹر سے حاصل کریں۔

تحریری
فتاویٰ



تین اسلامی ہیلپ لائن نمبرز پر فون سے رابطہ کر کے
اسلامی سوالوں کے جواب حاصل کریں۔

808080 7836, 808080 1882, 771000 7943

If Undelivered Please Return To

To,

Book Post



Ahlus Sunnah

Islamic Information Centre

Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjahan-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai-400070
Phone : 8080807836, 8080801882